علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ

سفر حجاز



ادارہ ترجمان السنۃ ⊙ لاہور



سفرِ حجاز

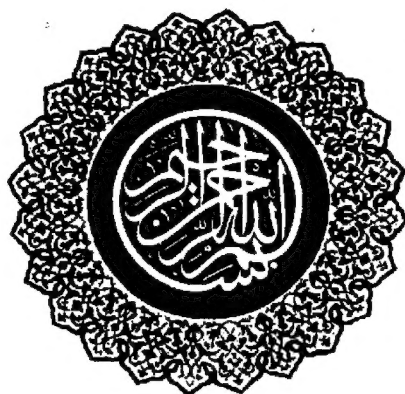
شہیدِ اسلام امام العصر علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ

کے قلم سے

ادارہ ترجمان السنۃ لاہور

پاکستان

کتاب کا نام	سفر حجاز
ناشر	ادارہ ترجمان السنہ
ہیڈ آفس	۷۵۔۴ شادمان لاہور
سب آفس	رحمان مارکیٹ اردو بازار لاہور
اشاعت	۱۹۹۷ء
مطبع	احد پرنٹنگ پریس



۵
سفرحجاز

بابا شہیدؒ کا سفرحجاز ایک ایسی داستان ہے جس کا راوی حجاز کا صرف ایک آدھ مرتبہ کا راہی نہیں بلکہ جس کا راوی مدت مدید تلک اس سرزمین میں آباد رہا جس نے طالب علمی کا دور بیتاب بھی گنبد خضراء میں گزارا۔ جس نے جوانی کے دور جذبات اور لڑکپن کے دور جنوں کو بھی اس سرزمین کے روحانی ماحول میں بسر کیا۔

سفرحجاز مدینہ طیبہ کی زیارت کرنے والوں کے لیے ایسا تحفہ ہے جس کی قدر وہاں سے پلٹ آنے کے بعد ہوتی ہے۔ جب محسوسات کو زبان پر لانا اور کیفیات کو سانچہ الفاظ میں ڈھالنا مشکل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس زمین سے آنے والا اس سفرنامے کو پیش کر کے کہہ سکتا ہے ”آؤ مجھ سے سوال کرنے والے کہ خواجہ یثرب کے دیار اقدس کا سفر کیسا بیتا۔ یہ کتاب لے جاؤ تم کو معلوم ہو جائے گا وہاں دل پہ کیا گزری جاں پہ کیا بیتی۔ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران اس سفرنامے کو پڑھ کر زائر محسوس کرتا ہے گویا کہ وہ سب کچھ تحریر کے قالب میں ڈھل گیا جو کچھ اس کے ساتھ پیش آ رہا ہے۔

مجھ کو یہ سعادت بھی ملی کہ میں بابا کے ساتھ سفرحج پر گیا ہمارے ہمراہ پیر محمد اشرف سابق ایم این اے‘ خوشنود علی خان ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ خبریں اور جمعیت اہلحدیث کے بزرگ راہنما مولانا اسحاق چیمہ بھی تھے۔ وہ سفر گزر گیا یادیں بھی کچھ دھندلا سی گئیں۔ بابا کی شہادت کے بہت عرصہ کے بعد مجھ کو موقع ملا کہ میں سفرحجاز کا مطالعہ کروں۔ مطالعہ کرتے کرتے میں اس طرح کھو گیا کہ مجھ کو یہ احساس ہونے لگا گویا یہ اسی سفر کی داستان ہے جب میں بابا کی ہمراہی میں سفرحج پر گیا تھا۔

سفرحجاز کے کچھ پہلو تشنہ رہ گئے۔ بابا کی مصروفیات نے ان کے سفرنامہ کو مکمل نہ ہونے دیا میں نے اس وقت اس بات کا ارادہ کر لیا کہ اگر رب نے مجھ کو موقع دیا تو میں انشاء اللہ العزیز شہید بابا کے اس سفر کو لازماً مکمل کروں گا۔ فی الوقت جو کچھ آپ کے سامنے ہے اس کو پڑھیے موقع ملنے پر سفرنامہ پوری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ہو گا۔

اس سفرنامہ میں بابا نے مسلمانوں کے لیے تاریخی اہمیت کی جگہ عراق کا

تذکرہ بھی کیا ہے سفر عراق کے بعض تشنہ پہلوؤں پر بھی انشاء اللہ العزیز وقت آنے پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اس سفرنامے کے حوالے سے زیادہ باتیں تو نہیں کہوں گا بس اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ سفرنامہ اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ معلومات کا خزینہ بھی ہے اور زبان کی روانی بھی۔ نہ تو صرف نثر نگاری کا مرقع ہے اور نہ ہی خشک معلومات کا مجموعہ بلکہ نثری گداز اور ادبی لطافت رکھنے کے ساتھ ساتھ روح و دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی محبت میں ڈوبی ہوئی صدا بھی ہے وہاں پر ایک عالم کی علمیت کا ترجمان بھی۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر

محترمہ ثریا شاہد صاحبہ

سفر حجاز

سفر نامہ ایک نہایت دل آویز' بڑی پر کشش اور بے حد ایمان افروز کہانی ہے۔ جس کو عصر حاضر کے عظیم قلمکار علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید راہ حق' کے بہار آفریں قلم نے عشق و محبت کے دریا میں ڈوب ڈوب کر ترتیب دیا ہے۔ ہمارے ہاں سفر ناموں کی کوئی کمی نہیں اور ان کی ایک خاص تکنیک ہوتی ہے۔ جس کے موجب سفر نامے کا مصنف اپنے زیر سیاحت ملک کے تہذیبی حالات تمدنی دائروں اہل ملک کے عادات و اطوار ان کے رسم و رواج اور کبھی اس ملک کے تاریخی اور جغرافیائی پہلوؤں پر بھی خامہ فرسائی کرتا ہے۔

تصنیف و تالیف کے باب میں سفرناموں کی صنف ایک نہایت مفید صنف ہے۔ جس کے ذریعے دوسرے ممالک کے بعض ایسے تہذیبی اور تمدنی گوشے سامنے آتے ہیں۔ جہاں مورخ کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ مگر احسان الٰہی ظہیر کا یہ سفر نامہ دوسرے سفر ناموں کے مقابلہ میں دو واضح وجوہ سے امتیازی حیثیت اور ایک انفرادیت کا حامل ہے۔ اور یہ امتیاز اور انفرادیت بھی اس سفر نامہ سے ہی خاص ہے۔

اس امتیاز کی اول واضح وجہ یہ ہے کہ یہ سفر نامہ ایک مقدس سرزمین کی کہانی پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ شہید نے لکھا "کہ مکہ عام شہروں ایسا ہوتا ہوا بھی عام شہروں ایسا نہیں دکھائی دیتا اس کی گلیاں' اس کے کوچے' اس کے بازار' اس کے چوک' اس کے درودیواریں اسی طرح ہیں۔ جس طرح مشرق کے دیگر شہروں' تونگر اور مال دار شہروں کی ہوتی ہے۔ لیکن ان کے اندر سے ہویدا رعنائیاں اور

زیبائیاں مشرق و مغرب کے کسی اور شہر میں کہاں؟"

یہ تو وادی مقدس ہے جس نے در یتیم کو گودیوں کھلایا تھا۔ جو بعد میں وانائے سبل ختم رسل اور مولائے کل ﷺ کہلایا اور جس نے اسے شہرت ناموری اور تقدس کی اس انتہا پر پہنچا دیا۔ کہ صاحب عرش عظیم اس کی پاکیزگی اس کے تقدس اور اس کی بڑائی کی قسمیں کھانے لگا اور اپنی آخری دستاویز میں اسے منبع ہدایات منزل برکات اور محیط انوار و تجلیات قرار دے کر قیامت تک کے لیے اس کے شرف اور اس کی بزرگی پر مہر ثبت کر دی۔"

"اس خطہ ارضی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس بستی میں خانہ کعبہ واقع ہے یہاں تمام عالم سے ہر سال ہزاروں مسلمان فریضہ حج ادا کرنے آتے ہیں اس وادی مقدس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے اس بستی کی قسم کھائی اور فرمایا۔"

لا اقسم بھذا البلد

"اور اسکو بلد امین کہا گیا۔ بلد امین کی فضا' جادو بھری فضا' جس کی تلخیاں بھی سرور انگیز اور ترشیاں بھی روح افزاء اور جب کبھی ان میں بادل گھر گھر آئیں تو جی جان نثار کرنے کو دل چاہے۔ اور قطعہ ہائے ابر میں رحمت تیرتی نظر آتی ہے۔"

"ایک سیل نور ہے جو اس بستی مبارک میں امڈتا ہوا نظر آتا ہے اور ایک طوفان نکہت و بو ہے۔ جو شہر خوبرو کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور شہر یکتا جو بے گل و بلبل گل کدہ' بلبلستان اور بے آب و گیاہ حیات کدہ و چمنستان بنا ہوا ہے۔"

"یوں تو مکہ کی اور بھی بہت خصوصیات ہیں۔ لیکن مقام ابراہیمؑ اور آب زم زم کی وجہ سے یہ اور بھی بابرکت ہوگیا۔ اس کے چپے چپے پر قرنہا قرن کی تاریخ کے نقوش ثبت ہیں۔ تب کے بھی جبکہ ممتا سے لبریز ایک ماں سلگتی ہوئی دھرتی پہ اپنے معصوم نورستہ پھول اور نو شگفتہ غنچے کو اپنے سینے سے لپٹائے اسے باد سموم کے زہریلے تیروں سے بچانے کے لیے سرگرداں تھی۔ تن تنہاء' اکیلی بے یار و مددگار اور پھولوں کی پتیاں زرد ہونے لگیں۔ غنچہ بن کھلے مرجھانے لگا۔ ممتا بے چین

ہو گئی۔ آخر بہار کا عطیہ اتنی جلدی خزاں زدہ ہونے لگا ابراہیمؑ کی نشانی، خلیل اللہ کا فرزند، ہاجرہؑ دوڑی نگاہیں آسمان کی طرف، لبوں پر آہ لیکن دور دور تک نہ پانی ہے اور نہ سایہ، واپس ہوئیں۔ بچہ مچلا، ماں تڑپ اٹھی بچے نے سکاری بھری ماں کراہنے لگی۔"

"یا الٰہی۔ میں تیرے حکم پر راضی لیکن اپنے معصوم کو بلکتا ہوا تڑپتا ہوا دیکھنا کس ماں کے بس میں ہے۔ بچے نے ایڑیاں رگڑیں، اور ماں پھر دوڑ پڑیں۔ میرے بچے ہاجرہ کے بچے پہ نثار۔ میری ماں اسماعیلؑ کی ماں پر قربان کہ ان کے تڑپنے اور دوڑنے رہگذار مکہ کو گلزار عالم میں تبدیل کر دیا۔"

"پھر اسی بستی نے وہ دن بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گلستان کا سب سے خوبصورت پھول رونق کائنات اور فخر موجودات بن کر کھلا اور خلیل اللہ کے فرزند ذبیح اللہ کی جلاوطنی کی سرزمین اس کے پوتے رسول اللہ ﷺ کا مولد و مسکن ٹھہری کہ بچپنے سے لے کر جوانی تک، نبوت پر فائز ہونے سے جلاوطنی تک یہاں کے سنگریزے ان کے قدمہائے مبارکہ کے لمس سے جواہر ریزے اور گہر پارے بنتے رہے اور یہیں ابتداء نبوت کا مقام غار حرا واقع ہے جس سے نور نبوت کی پہلی کرن پھوٹتی ہے۔

جو اس کامل و اکمل ذات گرامی کا دیس ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ کہہ کر پکارا جسے یٰسین کہہ کر خطاب کیا۔ جسے قیام میں ایہاالمزمل کہا گیا اور سوتے میں ایہاالمدثر کہہ کر خطاب کیا گیا۔

یہ وہی دیس ہے۔ جہاں مدینہ منورہ واقع ہے جسے محمد ﷺ نے مکہ کی سطح پر ہی حرام قرار دیا جو محمد ﷺ کا مستقر بھی مستودع بھی جس شہر کی زمین محمد ﷺ کی آخری آرام گاہ ہے۔

خرم آں شہرے کہ آنجا دلبرست

جہاں محمد ﷺ کا محبوب پہاڑ احد واقع ہے اور جس زمین کی پستیوں سے آسمان کی رفعتیں ہمیشہ شرمسار رہیں گی۔

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

یہ اس سرزمین کی کہانی ہے۔ جس کی پشت پر مشرقاً" غرباً" شمالاً" جنوباً" پھیلے ہوئے مٹی کے ذروں نے محمد ﷺ کے تلوہ پا کو بارہا چوما جس دیس کی پتھریلی دھرتی میں حسن لہریں لیتا اور خوبصورتی موجیں مارتی۔ اس کے رہگذاروں میں وہ دلکشی ہے کہ لبنان' ایران کے سبزہ زاروں اور کشمیر' سوئٹزرلینڈ کے مرغزاروں میں نہ ہو۔ اور اس کی اترائیوں اور چڑھائیوں میں وہ سحرانگیزیاں ہیں کہ روم و سپین کی دلاویزیاں ان پہ قربان۔ اور جہاں کی مٹی پہ زائر کی چشم بینا آج بھی پائے محمد ﷺ کے نقوش خط تقدیر کی طرح ثبت دیکھ سکتی ہے۔

اسی راہ میں ایک وادی آتی ہے جس کا نام وادی روحا ہے۔ صاحب وفا' الوفا لکھتے ہیں کہ اس وادی میں ستر ہزار انبیاء نے نماز ادا کی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ وادی جنت کی وادیوں سے ہے اس کا ہر موڑ ہر ٹیلہ اپنے اندر ایک تاریخ لیے ہوئے ہے۔ ان ٹیلوں پر کھڑے ہو کر کبھی صدیق اکبر ؓ اور فاروق اعظم ؓ اپنے لشکروں کو خود وداع کرتے تھے۔ اور ان ہی موڑوں پر کھڑے ہو کر ایک مجاہدہ نے سنا تھا (حمنہ) کہ اس کا خاوند' بھائی' باپ' بیٹا جنگ میں شہادت پا چکے ہیں تو اس نے بڑے صبر و استقلال سے جواب دیا تھا میں تو یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ خواجہ کونین ﷺ کا کیا حال ہے اور جب جواب دینے والے نے جواب دیا کہ بالکل خیریت سے ہیں۔ تو اس نے مسرت سے چلاتے ہوئے کہا پھر میرے عزیزوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے سرتاج سہارے اور آسرے نے اپنے خون سے میرے مقتدا اصلعم کی حفاظت کی ہے۔ کتنے مقدس تھے وہ لوگ اور کتنی خوش بخت ہے' یہ سرزمین۔

اس زمین کو یہ شرف حاصل کیوں نہ ہو؟ اس میں وہ پاکیزہ ہستیاں چلا پھرا کرتی تھیں۔ جنہیں حضور اکرم ﷺ کی اتباع کا فخر حاصل تھا۔ علامہ احسان ؒ نے فرمایا کہ آج کیا وجہ ہے کہ آپ ؐ کے ماننے والے' آپ ؐ کا کلمہ پڑھنے والے' زبانی محبت کا جمع خرچ کرنے والے' آپ ؐ کے فرامین سے اس قدر بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس وقت جبکہ ہماری تعداد کم تھی۔ ہم کمزور و ناتواں تھے۔ ہم انہی ریگستانوں سے اٹھے اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر چھا گئے۔ ہم آج ریت کے ذروں سے بڑھ کر

ہیں۔ ہمارے پاس خوبصورت اور سبز باغات ہیں دولت کی بھی کمی نہیں ہم دنیا کی دوسری بڑی قوم ہیں لیکن پھر بھی ہم خطرہ میں ہیں۔

اس وقت ہم بھوکے سویا کرتے تھے۔ تو روم اور یونان ہماری ہیبت سے لرزا کرتے اور آج ہم سیر ہیں لیکن پھر بھی کبھی کمیونزم کا ہوا ہمیں ڈراتا ہے۔ اور کبھی سرمایہ داری کا بھوت۔

اس سفرنامہ کے امتیاز کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ سفرنامہ کی غرض سے دیار حبیب ﷺ کا سفر اختیار کرنے والے کسی محض حاجی کا سفرنامہ نہیں جس نے ارض حجاز میں چند روز گزارے اور اپنی داستان سفر تصنیف کر دی۔

بلکہ سفرنامہ احسان الٰہی ظہیر کا رقم کردہ ہے۔ جو حجاز کا مسافر نہیں مگر اہل حجاز سے بڑھ کر خود کو حجازی سمجھتا ہے اور حجاز سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس کا آقا ﷺ اور مولیٰ ﷺ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ اہل حجاز سے بھی محبت کرتے تھے کیونکہ وہ اس کے آقا ﷺ اور مولیٰ ﷺ کے دیس میں رہتے ہیں اور آقا کے ہموطن ہیں شہید حجاز میں پیدا نہیں ہوئے یہ ان کے اختیار کی بات نہیں مگر وہ حجازی بن کر رہنے کو پسند کرتے تھے اور یہ ان کی سب سے بڑی پسند تھی کہ وہ حجاز میں رہنا چاہتے تھے اور بحیثیت حجازی انہیں مرنا بھی محبوب تھا:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

عرصہ گزرا ایک درد پذیر عاشق حجاز نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ:

میں موت چاہتا ہوں زمین حجاز میں

اور یا پھر یہی محبوب نغمہ اسی دور کے پس منظر میں احسان الٰہی ظہیرؒ کی زبان پر اچھلا تھا۔ مگر یہ بات اللہ کے بس میں تھی کہ وہ پہلا عاشق حجاز اپنی مراد کو نہ پہنچ سکا مگر احسان الٰہی کی یہ خواہش اس کے رب نے پوری کر دی:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

احسان الٰہیؒ کو محبت اپنے دیس سے بھی تھی اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے

کہ یہاں ان کے ماں، باپ، بہن، بھائی موجود ہیں اور یہیں پیدا ہوئے اور کھیلے جوان ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آقا ﷺ کی سرزمین کو ترجیح دیتے تھے۔

کیوں کہ یہاں محمد ﷺ کا محبوب پہاڑ احد واقعہ ہے۔ اور جس زمین کی پستیوں سے آسمان کی رفعتیں ہمیشہ شرمسار رہیں گی۔ علامہ احسانؒ کا آقا اگر مدینہ کی سنگلاخ زمینوں اور پہاڑوں کی چٹانوں سے محبت کرتا ہے تو احسان الٰہیؒ کو اپنے پسندیدہ پہاڑ احد کی چٹانیں کلیوں کی طرح پاکیزہ اور مسکراتی اور پھولوں کی طرح معطر و شفاف دکھائی دیتی ہیں۔

احسان الٰہیؒ نے جبل احد سے محبت کی کیونکہ آپ ﷺ نے احد سے محبت کی ایک دفعہ آپ ﷺ احد پر کھڑے تھے تو احد پہاڑ ہلنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے احد تو نہیں جانتا کہ تیرے اوپر خدا کا رسولؐ' ایک صدیقؓ اور دو شہیدؓ کھڑے ہیں وہ نبیؐ سے والہانہ محبت کرنے والے اور عظمت صحابہؓ کے پرستار تھے آپ نے بھی تخیلات میں احد کو چوم لیا کیونکہ ان کا محبوبؐ بھی اس سے محبت کرتا تھا۔

احسان الٰہیؒ جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر لوٹے تو اپنی قیام گاہ سے نکلتے ہی پہلی نگاہ احد پر ڈالی اور جدائی کے خیال سے آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور ہاتھ اٹھا کر آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی۔

یا اللہ! میری جدائی عارضی ہو۔ یا اللہ! میں اس پہاڑ سے محبت کرتا ہوں کیونکہ تیرا رسولؐ بھی اس سے محبت کرتا تھا۔ مجھے مدینہ کا ذرہ ذرہ عزیز ہے۔ کیونکہ اس پر انسانیت کے سب سے بڑے محسن ﷺ کے نقش قدم ثبت ہیں۔

آج وہ دین رسول ﷺ سے محبت کرنے والے شہید ہم میں موجود نہیں اور انشاء اللہ وہ جنت کے اعلیٰ مراتب پر ہوں گے۔

پیش لفظ

رب قدوس کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے اس مرتبہ پھر اپنے گھر کی زیارت کی سعادت بخشی اور سرور کائنات کی مسجد اور شہر میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سفر مبارک میں جس چیز نے بطور پاکستانی بے حد متاثر کیا وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی پاکستان سے محبت اور وابستگی ہے۔

حرمین میں حج کے دنوں میں، پاکستان کے بارے میں بے حد تشویش ناک خبریں اور افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ ان کو ہولناک بنانے اور ان کی دہشت ناکی میں اضافہ کرنے میں ہندوستانی سفارت خانہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا جو پاکستان کے مقابلہ میں ویسے بھی زیادہ سرگرم عمل ہے اور خصوصاً بلاد عرب اور عالم اسلامی میں تو اس کی سرگرمیاں ہمیشہ ہی پاکستان دشمنی میں اوج شباب پر ہوتی ہیں۔

اور شاید بر سبیل تذکرہ یہ بات نامناسب نہ ہو کہ پاکستان اپنے سفارت خانوں پر اس قدر توجہ نہیں دیتا جس قدر آج کے دور میں دینی چاہیے اور خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ایک دشمن ملک اس کے خلاف پوری طرح مصروف کار بھی ہو۔

ایک پاکستانی کی حیثیت سے یہ جان کر دکھ ہوا اور ہوتا ہے کہ پوری عرب دنیا میں پاکستان کا ایک سفیر بھی ایسا نہیں جو عربی زبان جانتا اور اس میں شدھ بدھ رکھتا ہو جب کہ عالم عرب میں ہندوستان کے اکثر و بیشتر سفراء عربی زبان میں پوری

دسترس رکھتے ہیں اور یہی حال سعودی عرب کا ہے کہ وہاں ہندوستانی سفیر نہ صرف مسلمان ہے بلکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔ اے بھی ہے۔ اور براہ راست عربی میں گفتگو کر سکتا اور لکھ سکتا ہے اور یہی عالم تقریباً پورے ہندوستانی سفارتی عملہ کا ہے لیکن اس کے برعکس ہمارے سفارت خانہ میں ایک آدھ مترجم کو چھوڑ کر کوئی بھی شخص عربی کے چند جملے.... بول اور سمجھ.... نہیں سکتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب عوام کی پاکستان سے تمام ہمدردیوں اور عقیدتوں کے باوصف انہیں بین الاقوامی امور میں پاکستانی رجحانات کا کوئی علم نہیں۔ اسی طرح پاکستانی ہندوستانی تنازعات کے بارہ میں انہیں پاکستان کے موقف سے زیادہ ہندوستانی موقف سے واقفیت حاصل ہے...... نیز تمام بلاد عربیہ میں ہندوستان اور اس کے زعماء و اکابر کے بارہ میں کتابوں اور رسالوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہیں جب کہ پاکستان کے بارہ میں چند صفحات کا کوئی کتابچہ بھی دستیاب نہیں۔

بہرحال اس سال ایام حج میں پاکستان کے متعلق عموماً اور پاکستان کے مشرقی بازو کے متعلق خصوصاً بڑی اضطراب انگیز خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ ایسے عالم میں ہم نے دیکھا کہ ان خبروں سے صرف پاکستان کے زائرین حرم ہی پریشان اور بے چین نہیں بلکہ دنیائے اسلام کا ہر زائر پاکستان کے لیے مضطرب اور فکر مند ہے اور یہ بات بلامبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ اس دفعہ جس قدر پاکستان کے لیے' اس کی سلامتی کے لیے' اس کے اتحاد کے لیے اور اس کی سربلندی کے لیے دعائیں مانگی گئیں شاید ہی کسی اور ملک کے لیے مانگی گئی ہوں۔

ان ہی دنوں لوگوں میں اسرائیل، عرب آویزش کے بارے میں بھی بڑی تشویش تھی اس لیے کہ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے والی تھی اور مصر کی جانب سے پوری فراخدلی کے باوصف اسرائیل کی جانب سے مفاہمت پر کوئی آمادگی نظر نہ آ رہی تھی اور خدشہ تھا اور ہے، کہ کہیں دوبارہ جنگ نہ چھڑ جائے لیکن اس کے

باوجود لوگوں کی نگاہیں صحرائے سینا اور جولان کی پہاڑیوں سے زیادہ ڈھاکہ اور کراچی کی طرف اٹھ رہی تھیں حتیٰ کہ جب اپنے پہلو میں ایک فلسطینی کو بھی پاکستان ہی کے لیے دعا مانگتے دیکھا تو میں نہ رہ سکا اور اس سے پوچھ ہی بیٹھا

"بھائی! فلسطین میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اس کے لیے تو تم اتنے غمگین نظر نہیں آتے جس قدر پاکستان میں سلگتی ہوئی چنگاریوں کے لیے پریشان ہو۔"

تو اس نے جواب دیا

"دوست! میرا خرمن تو جل ہی چکا لیکن میرے اس بھائی کے دامن میں آگ کیوں لگے جس سے مجھے توقع ہے کہ وہ کسی دن میرے گھر کی آگ بجھانے کے لیے بھی آ سکتا ہے اور آئے گا۔"

اور کچھ یہی سعودی عرب کی ایک بہت بڑی شخصیت نے بھی کہا کہ جب پاکستان کے حالات پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں اور ان کی آواز رندھنے لگی تو میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے ان سے کہا

"حضور! آپ پاکستان کے لیے اتنے فکر مند کیوں؟"

تو انہوں نے انتہائی درد بھرے لہجہ میں کہا کہ

"ہم پاکستان کے لیے اس لیے اس قدر فکر مند ہیں کہ ہمارے نزدیک پاکستان' اس کی قوت' اس کی طاقت اور اس کی ہیبت کعبہ کے راستوں کی نگہبان اور مدینہ الرسول کے راہوں کی پاسبان ہے اور خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہو گیا تو نہ صرف ہندوستان کے مسلمان بے سہارا اور کشمیر کے مسلمان بے آسرا ہو جائیں گے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی لاج کٹ کے' آبرو مٹ کے اور عزت لٹ کے رہ جائے گی۔"

اور یہ سارا کچھ اپنی پراپیگنڈہ مشینری کے فقدان اور ہندوستانی پراپیگنڈہ

مشنری کی سرگرمی کے باوجود ہے اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مسلمانوں کو پاکستان سے کس قدر محبت اور عقیدت ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور یہ دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے وگرنہ اور کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنا پر اسے یہ عقیدت اور محبت حاصل ہو سکتی۔


سوئے حرم

سوئے حرم

واقعات و مشاہدات

پاکستان میں انتخابی گہما گہمی ختم ہو چکی تھی اور ہم اپنے بستر کھول چکے تھے۔ طبیعت پر ایک بوجھ تھا اور اعصاب میں تناؤ' نہ جانے انتخابی افسردگی تھی یا ان دنوں کی تگ و دو کی تھکاوٹ۔ اور دن گزرتے گئے لیکن فسردگی اور تھکاوٹ میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا گیا۔ اچانک ایک رات لیٹے لیٹے خیال آیا کہ اگر اس دفعہ حرمین کی زیارت نصیب ہو جائے تو سب کوفتیں دور اور کلفتیں کافور ہو جائیں۔ صبح ہوئی تو دل و دماغ پہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا تصور چھایا ہوا تھا۔ ظاہری اسباب حوصلہ شکن اور ظروف و حالات روح فرسا تھے لیکن صبح گاہی کی دعا سے ایک گونہ سکون اور اطمینان تھا کہ مسبب الاسباب حالات و اسباب کو درست فرما دے گا۔ یہ جنوری کی تین تاریخ تھی کہ میں نے درس قرآن کے بعد احباب کو اس ارادہ سے باخبر کیا۔ درس کے ایک ساتھی اور دوست میر اکرم صاحب بھی تیار ہو گئے اور دوسرے دوست چوہدری صابر صاحب بھی' معلوم ہوا کہ امسال ہر پاسپورٹ رکھنے والے کو اجازت ہے کہ پی فارم منظور کروا کے کرنسی حاصل کئے بغیر حج کے لیے چلا جائے' نہ جانے یہ کیا عجیب قانون ہے کہ ایک پاکستانی غیر ملک میں کرنسی تو نہیں لے جا سکتا خود جا سکتا ہے؟ بہرحال پی فارم کے لیے پاسپورٹ طلب کیے تو پتہ چلا کہ میر اکرم صاحب کا پاسپورٹ ہی نہیں' حضور یہ کیا؟ کہا پاسپورٹ آج بننے کے

لیے دے دیتے ہیں۔ خدا کا شکر کہ ایک ہفتے کے اندر پاسپورٹ نے تمام مراحل طے کر لیے۔ بارہ کو پی فارم کے لیے پاسپورٹ سٹیٹ بنک میں دیئے تو معلوم ہوا' درخواست دہندگان کی کثرت کی وجہ سے حکومت نے بارہ سے نئے پی فارم کا اجرا بند کر دیا ہے' لیکن شوق غالب رہا اور پابندی مغلوب اور جب پاسپورٹ ملے تو معلوم ہوا کہ میرے پاسپورٹ پر کوئی خامی ہے جس کی وجہ سے میرا پی فارم منظور نہیں ہو سکتا۔ متعلقہ آفیسر سے ملے تو بصد رد و قدح کے وہ آمادہ ہوئے' اتنی دیر میں پی آئی اے نے مزید ٹکٹیں دینی بند کر دیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی جگہ نہیں رہی۔ پندرہ جنوری سے لے کر بیس جنوری تک ہر اس ایئر لائن کو ٹیلیفون کر دیکھے اور ان کے دروازے پر دستک دے دیکھی جن کے جہاز جدہ جاتے تھے۔ لیکن کسی نے سیٹ نہ دی۔ اب شوق نے اضطراب کا رنگ اختیار کر لیا۔ ابھی تمام کام باقی تھے۔ ٹیکے' ہیلتھ سرٹیفکیٹ' ویزے اور دوسرے متعلقہ کام لیکن یہاں سیٹیں ہی نہیں مل رہیں۔ بیس جنوری بدھ کی شام کو جب مایوسی نے چاروں طرف سے ڈیرے ڈال دیئے تو دونوں دوست میرے گھر آئے چہرے اترے ہوئے رنگ بدلے ہوئے اور آنکھوں میں آنسو لیے' اب کیا ہو گا؟ اللہ مالک ہے میں نے جواب دیا۔

لیکن اب تو کسی ایئر لائن کا دروازہ باقی نہیں رہا جس پر ہم دستک نہیں دے سکے۔ میں نے پھر مسکراتے ہوئے کہا کہ کوئی نہیں پچھلے تمام واقعات سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ رب کریم ہمیں نوازنا چاہتا ہے اب بھی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ ابھی میں نے اپنے فقرے کو مکمل نہیں کیا تھا کہ باہر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دیکھا تو خلاف معمول شام کے جھٹ پٹے میں ''ترجمان الحدیث'' کے مینجر مولانا عبدالصمد کھڑے ہیں۔ پوچھا آپ آج اس وقت کیسے؟ جواب دیا آپ کا ایک رجسٹرڈ لفافہ آیا تھا۔ سوچا شاید ضروری ہو اسی وقت دے آؤں لفافہ

دیکھا تو اوپر رابطہ عالم اسلامی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ تعجب ہوا کہ یہ کہاں سے اور کیسے آ گیا۔ کانپتے ہاتھوں اسے چاک کیا تو آنکھوں میں شکر کے آنسو اور لبوں پہ مسرت کا تبسم پھیل گیا۔ مکتوب رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد سرور الصبان کی طرف سے تھا۔ جس میں اسی سال حج کے موقع پر سعودی عرب کے حکمران شاہ فیصل کی طرف سے ساتھیوں سمیت سعودی عرب کے دورے کی دعوت دی گئی تھی۔

میں نے مسکراتے ہوئے میر اکرم صاحب اور چوہدری صابر کو حج کی مبارک باد دی' اور انہیں بتلایا کہ شوق نے راہ کی تمام رکاوٹوں کو پھاند اور مراحل کو طے کر لیا ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ میں اسی وقت کراچی روانہ ہو جاؤں تاکہ ویزے اور سیٹوں کا بندوبست کیا جا سکے۔ اسی وقت مال روڈ پر پی آئی اے آفس پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک گھنٹہ بعد طیارہ کراچی جانے والا ہے لیکن اس میں کوئی سیٹ نہیں۔ ایک جاننے والے نکل آئے اور انہوں نے کوشش کر کے فرسٹ کلاس میں سیٹ لے دی۔ گھر آ کر بیگ سنبھالا اور کراچی جمعیت اہل حدیث کے امیر جناب ڈاکٹر الہٰی علوی صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دے دی۔ پونے گیارہ بجے رات طیارہ جب کراچی ہوائی اڈے پر اترا تو کراچی بھیگی ہوئی تھی اور بڑے دروازے پر کراچی جمعیت اہل حدیث کے جواں ہمت بوڑھے امیر ڈاکٹر علوی صاحب' مولانا عبدالغفور صاحب خطیب جامع اہل حدیث جہلم اور کئی ایک دوسرے دوستوں سمیت منتظر کھڑے تھے۔ گرم جوشی سے ملے اور میرے اصرار کے باوجود ہوٹل کی بجائے اپنی کوٹھی لے گئے اور اپنی پر از معلومات اور دلچسپ باتوں سے رات گئے تک محفل کو سجائے رکھا۔

صبح ہوتے ہی سعودی سفارت خانے کا رخ کیا۔ وہاں کراچی جمعیت کے مخلص ~~کارکن مولانا عبدالسلام~~ بریلوی کی معیت میں ویزے اور سیٹوں وغیرہ کا بندوبست

کیا۔ اتنی دیر میں مدینہ منورہ کے ایک دوست اور کراچی میڈیکل کالج کے آخری سال کے طالب علم جناب منصور نزعہ بھی میری آمد کا سن کر اپنے ایک اور ملکی دوست کے ساتھ کار لے کر آ گئے اور ڈاکٹر صاحب محترم اور میر اکرم صاحب کے بہنوئی صادق بٹ صاحب کے اصرار کے باوجود اپنی غریب الوطنی کے ہوتے ہوئے روایتی عرب مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ بقیہ دن ادھر ادھر گھومتے گزرا' اور مغرب کو ڈاکٹر صاحب محترم پھر لاہور واپسی کے لیے ہوائی اڈہ پر چھوڑنے کے لیے تشریف لائے۔

اکیس کی رات کو لاہور واپسی ہوئی۔ بائیس سے جانے کی تیاریاں شروع کیں' تیاریاں کیا تھیں ایک اٹیچی کیس اور چار جوڑے کپڑوں کے۔ اٹھائیس جنوری جمعرات کو ساڑھے بارہ بجے جہاز کی کراچی روانگی کا وقت تھا۔ بے شمار احباب الوداعی دعاؤں سے رخصت کرنے کے لیے ہوائی اڈہ پر موجود تھے اور اس دن پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ دوست کس قدر محبت اور پیار کے جذبات رکھتے ہیں۔ ڈھائی بجے کراچی پہنچے۔ ہوائی اڈے پر صادق بٹ صاحب اور ان کے دیگر عزیز رشتہ دار اور احباب موجود تھے اور ان کا اصرار تھا کہ ہم کراچی میں ایک دن ان کے ہاں ہی قیام کریں لیکن ہم نے ان کے ہاں کھانے کی دعوت تو قبول کر لی' قیام کے لیے ہوٹل ہی مناسب خیال کیا۔ اور اب جو ہوٹل کی تلاش میں نکلے تو معلوم ہوا کہ کراچی کے کسی اچھے ہوٹل میں کوئی کمرہ خالی نہیں۔ حاجیوں کے بے حد ہجوم کی وجہ سے تمام اچھے ہوٹل پہلے ہی بھر چکے تھے۔ اب ہم تھے اور کراچی کی سڑکیں۔ پہلے تو ٹیلیفون پر معلوم کرتے رہے۔ آخر مایوس ہو کر خود خوشنود بھائی (کراچی کے ایک دوست) کی گاڑی میں سڑکیں ناپنا شروع کیں۔ جبیں ہوٹل سے لے کر کانٹی نینٹل تک چھان مارے' کوئی جگہ نہیں' بڑے ہنسے کہ برے پھنسے۔ میر اکرم صاحب کی ہمشیر گان (جو کراچی میں ہی اقامت گزیں ہیں) کو پہلے انکار کر

چکے ہیں۔ ڈاکٹر علوی صاحب کے اصرار کے باوجود انہیں بھی معذرت کر دی اور ایک دو دوستوں کو بھی شکریہ سے ٹال دیا۔ اب جائیں تو کہاں جائیں۔ گھومتے گھماتے کلفٹن کے ویرانے میں ایک انگریزی ہوٹل کولمبس میں کامیابی کی صورت نظر آئی۔ تین آدمیوں کا کمرہ اور ایک رات کا کرایہ ۱۲۵ روپے بغیر کسی دوسری چیز کے۔ مرتے کیا نہ کرتے۔ کمرے کی ریزرویشن کا کہہ کر صادق بٹ صاحب کے گھر آئے۔ انتہائی پر تکلف کھانا کھایا اور سونے کے کپڑے لیے اور ہوٹل کی جانب چل دیئے۔ جب ہوٹل پہنچے تو معلوم ہوا کہ مینجر صاحب بہادر نے چند لمحے (ہمارے) انتظار کے بعد کمرہ کسی اور کو دے دیا ہے۔ بڑے سٹ پٹائے آخرش اس کی منت سماجت پر معلوم ہوا کہ اوپر والی منزل میں ایک دو بستر اور (ایک) بستر والا کمرہ موجود ہے۔ بڑے کمرے کا کرایہ ۱۲۵ اور چھوٹے کا ۷۵ روپے ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ کراچی میں شب بسری کتنی گراں اور مہنگی ہے' اب جو ظہر اور عصر کی اکٹھی نمازیں پڑھ کر سوئے تو مغرب کی اذان کے وقت ہی آنکھ کھلی۔ ڈاکٹر الٰہی علوی صاحب نے فون کیا۔ کراچی میں گھومنا پھرنا' یا کوئی کام وغیرہ ہو گا اس لیے میں گاڑی بھجوا دیتا ہوں۔ ان کے اخلاص اور محبت کا شکریہ ادا کیا اور بتلایا کہ آج تو خوشنود صاحب سے پروگرام طے ہے۔ آپ گاڑی صبح بھجوا دیجئے گا۔ اتنی دیر میں خوشنود صاحب آ گئے ان کے ساتھ رات گئے تک کراچی کے مختلف دوست احباب کو ملتے رہے۔ واپس آئے تو ایک اور مصیبت منتظر تھی۔ مینجر صاحب فرمانے لگے کہ آپ کرایہ پیشگی دے دیں ہم نے کہا کہ یہ تو اصول کے خلاف ہے اور اس وقت ہم بیگ وغیرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ کیونکہ سامان ہم بٹ صاحب کے ہاں ہی چھوڑ آئے تھے۔ مینجر صاحب اکڑ گئے۔ جیب میں اس وقت ایک سو اور کچھ روپے تھے وہ انہیں دیئے لیکن ان کا اصرار جاری رہا کہ پورا کرایہ انہیں پہلے ہی ادا کریں۔ غصہ تو بڑا آیا لیکن صبر کر کے پوچھا کہ آخر

اس کی وجہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ مینیجر بے چارہ کچھ تو میرے ساتھیوں میر صاحب اور چوہدری صاحب کے ڈیل ڈول اور پنجابی جسم کو دیکھ کر ڈر گیا ہے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہم بے سامان ٹھہرے ہوئے ہیں اور اسے کیا معلوم کہ ہم سیر کے بہانے جائیں اور پھر واپس نہ آئیں۔ بڑی مشکل سے اسے سمجھایا اسے یقین آیا۔ اب ایک اور مصیبت کھڑی تھی۔ رات کافی گزر جانے کی وجہ سے کچھ بھوک محسوس ہوئی۔ بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔ بیرے نے تب تک تعمیل سے انکار کر دیا جب تک اسے پیشگی نہیں دیا جاتا جیب میں جو کچھ تھا وہ پہلے مینیجر کو دے چکے تھے اب دو ڈھائی روپے سے زیادہ پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس رات کو لمبس میں تین پناہ گزینوں نے دو روپے کے سوکھے آلو کھا کر اور پانی کے گلاس پی کر ہی گزارا کیا۔ صبح جمعہ تھا۔ دن بھر کراچی کے قابل دید مقامات دیکھتے رہے، شام ہوئی ہوٹل سے احرام کے لیے غسل وغیرہ کیا۔ بل دیا اور بٹ صاحب کے ہاں سے احرام کی چادریں باندھیں اور میر صاحب کے رشتہ داروں اور کراچی کے دوستوں کی معیت میں کراچی ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ ساڑھے سات بجے وہاں پہنچے، پورٹ پر ہر طرف لوگوں کا اژدہام تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بے شمار لوگ احرام پہنے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ آج کئی کمپنیوں کے ہوائی جہاز جدہ جا رہے ہیں، جس کی وجہ سے اس قدر ہجوم ہے۔ ہم نے وہیں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے ادا کی اور سعودی ائیر لائن کے کاؤنٹر پر پہنچے ٹکٹیں پیش کیں تو جواب ملا اس جہاز پر آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جہاز میں سیٹیں کم ہیں اور بمبئی سے مسافر زیادہ آ گئے ہیں۔ اس لیے پاکستان سے کم مسافروں کو اس فلائٹ سے بھیجا جائے گا۔ آپ دوسری فلائٹ کا انتظار کریں۔ دوسری فلائٹ کب چلے گی؟ تین فروری کو جواب ملا۔ اور اگر اس میں بھی جگہ نہ ہو تو؟ جلدی سے میر اکرم نے سوال کیا۔ پھر ہم کیا کر سکتے ہیں، جواب ملا اور یہ آخری پرواز تھی کیوں

کہ پانچ کو جج تھا۔ افسوس ہماری قسمت ہی ایسی ہے' چوہدری صاحب نے بے ساختہ کہا۔

میں نے ساتھیوں کو اطمینان دلایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اوپر گیلری پر نگاہ گئی تو دیکھا میر صاحب کی بہنوں نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے۔ میں نے ان سے رونے کی بجائے دعا کرنے کو کہا اور خود مینجر سے ملاقات کر کے اسے بتلایا کہ ہم اس طرح سعودی حکومت کی دعوت پر جا رہے ہیں۔ اس لیے ضرور کوئی بندوبست کیا جائے۔ ابھی یہ بات کر ہی رہا تھا کہ مسافروں اور ان کے ساتھیوں کے ایک ہجوم نے سعودی ایئر لائن کے کاؤنٹر پر حملہ بول دیا۔ کاغذات پھاڑ دیئے اور لسٹیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ وہی لوگ تھے جن کی سیٹیں بک ہو چکی تھیں اور عین وقت پر انہیں اطلاع دی گئی کہ جہاز میں جگہ نہیں۔ ان مسافروں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ مجھے حیرانگی ہے کہ سعودی ایئر لائن کی کراچی انتظامیہ نے کس طرح اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا کہ پہلے سے اندازہ کیے بغیر اتنے مسافروں کو اس پرواز کے لیے ٹکٹ تو جاری کر دیئے جب کہ جہاز بمبئی ہی سے بھر کر آ رہا تھا۔ بہرحال تین گھنٹے تک وہ ہاہا کار مچی کہ پناہ بخدا۔ انتظامیہ بے بس تھی کہ جہاز بہرحال جہاز ہے۔ اومنی بس تو نہیں کہ دس مسافروں کو بٹھا کر اور بیس کو کھڑا کر کے پرواز کر جائے اور مسافر بھی حق بجانب تھے کہ احرام باندھ کر اور گھروں سے الوداع ہو کر آ چکے ہیں۔ اب واپس کیسے جائیں۔ آخر ائیرپورٹ کی سیکورٹی فورس کو بلایا گیا اور ہنگامہ کچھ فرو ہوا۔ لیکن معاملہ جوں کا توں پیچیدہ تھا لوگ مصر تھے کہ جب تک انہیں سیٹیں نہیں ملتیں تب تک وہ جہاز کو پرواز نہیں کرنے دیں گے۔ اسی ہنگامہ میں کاؤنٹر مینجر میرے پاس آئے اور مجھے الگ لے جا کر کہنے لگے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ بمبئی سے تین مسافر کم آئے ہیں اور جہاز میں تین سیٹیں خالی ہیں۔ آپ فوری طور پر اپنے سامان کو پچھلی جانب سے لے آئیں تاکہ آپ تو

روانہ ہوں باقی ہم پھر دیکھ لیں گے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی رحمت قدم قدم پہ ساتھ رہی۔ بہنوں کو خبر دی۔ ان کے پژمردہ چہروں کی رونق لوٹ آئی اور ہم جہاز پر سوار ہو گئے' ایک دفعہ پھر بھگدڑ مچی۔ اعلان ہوا کہ سب مسافر اتر جائیں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کسی نے خبر دی ہے کہ جہاز میں بم رکھ دیا گیا ہے اور گھنٹہ بھر کی مکمل تفتیش سے معلوم ہوا کہ رہ جانے والے مسافروں میں سے کسی نے ویسے ہی پریشان کرنے کے لیے ٹیلیفون کر دیا تھا۔ وگرنہ حقیقت کچھ نہ تھی۔ آخر خدا خدا کر کے سوا آٹھ بجے روانہ ہونے والا جہاز رات ساڑھے گیارہ بجے کراچی ائیرپورٹ سے حرکت میں آیا۔ جہاز کے فضا میں بلند ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی ہم نے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پکارنا شروع کیا اور پورا جہاز جس میں تقریباً سبھی بیت الحرام کے مسافر تھے لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لا شریک لک کی خوشبو سے مہک گیا۔ رات کی تاریکی فضا کی خنکی اور زمین سے ۳۲ ہزار فٹ کی بلندی۔ مسافر بیت الحرام کے اور لبوں پر نغمہ توحید پوری کائنات وجد کرتی نظر آئی۔ ساڑھے تین بجے رات ہم سعودی عرب کے بین الاقوامی ہوائی اڈے ظہران میں اتر رہے تھے۔ تمام مسافروں کو اپنے اپنے پاسپورٹ اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ اور دستی سامان ہینڈ بیگ اور دوسرا ہلکا سامان جو مسافر اپنے پاس ہی رکھتے ہیں' لے کر نیچے اترنے کو کہا گیا' نیچے اتر کر معلوم ہوا کہ یہاں پاسپورٹ' ہیلتھ سرٹیفکیٹ اور دستی سامان اس لیے چیک کیا جاتا ہے' تاکہ جدہ ائرپورٹ پر حج کے ایام کا بے پناہ دباؤ کم کیا جا سکے۔

تقریباً ایک گھنٹہ پاسپورٹ اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ چیک کرنے میں صرف ہوا کیونکہ ہم سے پہلے تین اور جہازوں کے مسافروں کی پڑتال ابھی باقی تھی۔ بہرحال وہاں سے فارغ ہو کر ہم کسٹم ہاؤس پہنچے ہم نے روانگی سے پہلے دوستوں کو تحفہ دینے کے لیے کچھ چلغوزے اور پاکستانی مٹھائیاں خرید کر ایک تھیلے میں بند کر لی

تھیں اور تھیلے کو سی لیا تھا۔ کسٹم آفیسر نے تھیلے کو کھولنے کا حکم دیا۔ ہمیں اعتراض نہ تھا لیکن پھر تھیلے کو سینا ناممکن تھا اور آفیسر پاکستان کی بھنگ چرس کی شہرت کی بنا پر اسے بغیر کھولے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا آخر مجھے خیال آیا اور میں نے اسے رابطہ کا وہ مکتوب دکھایا جس میں شاہ کے حکم پر ہمیں سعودی عرب آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ کسٹم آفیسر نے خط دیکھا اور اچانک ہی اس کے چہرے پر ندامت کے آثار نمودار ہوئے' مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتلایا کہ آپ سرکاری مہمان ہیں اور پھر بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور دور تک رخصت کرنے آیا وہاں سے ہم اپنا اسباب اٹھا کر انتظار گاہ میں آ گئے۔ یہ انتظار گاہ اور ائیرپورٹ کی ساری عمارت پورے مشرق وسطی میں خوبصورتی' نفاست اور عمدگی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس ہوائی اڈے کو دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں آتا کہ ہم مشرق وسطی کے کسی ملک میں ہیں۔ اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ سعودی عرب کس تیزی سے ترقی کی بلندیوں کی جانب رواں دواں ہے۔ تقریباً دو گھنٹے یہاں ٹھہر کر جہاز جدہ کے لیے روانہ ہوا۔ جہاز میں ایک قابل ذکر تبدیلی یہ آئی کہ پہلے خدمت گار لڑکیاں انگریز تھیں۔ اور ظہران سے عرب عیسائی لڑکیوں نے ان کی جگہ لے لی جو لبنان اور شام سے تعلق رکھتی تھیں۔ جہازوں میں یہ ایک عجیب روچل نکلی ہے کہ خدمت کے لیے لڑکیوں کو منتخب کیا جاتا ہے حالانکہ یہ کام مرد زیادہ بہتر طریق سے انجام دے سکتے ہیں۔ بہرحال پانچ بجے کے قریب ظہران سے روانہ ہو کر پاکستانی وقت کے مطابق سوا چھ بجے رات جہاز جدہ کے عظیم رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ منزل کو اس قدر قریب پا کر مسافروں کے اس غیر معمولی طویل سفر (عام حالات میں کراچی سے جدہ تک سفر میں سوا تین گھنٹے صرف ہوتے ہیں) کی تھکان دور ہو چکی تھی۔ جہاز رکتے ہی اونگھتے ہوئے مسافر سنبھل گئے اور تلبیہ و تکبیر پکارنے لگے' سیڑھی لگائی گئی اور مسافر نیچے اترنے لگے ابھی میں نے

رن وے پر قدم رکھا ہی تھا کہ خالص عربی لباس عبا و قبا میں ملبوس تین آدمی آگے بڑھے۔ ہاتھوں میں کچھ کاغذات تھے۔ ان میں ایک نے جھجکتے ہوئے انگریزی میں پوچھا آپ احسان الٰہی ظہیر تو نہیں؟ جی ہاں میں نے عربی میں جواب دیا تپاک سے ملے مصافحہ کیا اور پھر معانقہ۔ اور کہا کہ ہم رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ساتھ ہی سیڑھی سے لگی کھڑی ایک بڑی شیورلیٹ ایمبیسڈر گاڑی میں ہم کو بٹھا دیا ان میں سے ایک تو ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گئے اور دوسرے ہم سے پاسپورٹ اور سامان کے کارڈ (ٹیگ) لے کر چلے گئے اور کہہ گئے کہ سامان صبح ہوٹل میں پہنچ جائے گا اور پھر بغیر کسی قسم کی تفتیش و تحقیق کے ہوائی اڈے کی عمارت میں داخل ہوئے۔ پھر رن وے سے ہی لے کر ہوٹل روانہ ہو گئے۔ فندق ایشیا جدہ کے فرسٹ کلاس ہوٹلوں میں سے ایک ہے۔ بارہ منزلہ خوبصورت عمارت اور شہر کی بارونق شاہراہ۔ شارع ملک عبدالعزیز پر واقع۔ ہمارے لیے ساتویں منزل پر ایک خوبصورت آراستہ و پیراستہ کمرہ پہلے ہی سے ریزرو تھا۔ وضو کیا اور اذان فجر کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ نماز پڑھ کر ہی سوئیں گے۔ میر صاحب اور چوہدری صاحب بڑے حیران تھے کہ آج رات ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی۔ میں نے انہیں بتلایا کہ مشرق سے مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے دن اور رات بڑھ جاتے اور مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے دن اور رات چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے آٹھ اور سعودی وقت کے مطابق تقریباً چھ بجے اور ملکی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے دس بجے صبح فجر کی اذان ہوئی۔ ہم نے ہوٹل ہی میں نماز فجر ادا کی۔ گھڑیاں سعودی ٹائم کے مطابق کر لیں اور لمبی تان کر سو گئے صبح گیارہ بجے رابطہ کے مندوب نے آ کر جگایا بیدار ہو کر احرام کو سنبھالا۔ چادروں کو درست کیا اور مندوب رابطہ کے ساتھ شہر کی سیر کو نکل گئے۔ جدہ میرا دیکھا بھالا شہر چار سال کے بعد پھر

ایک دفعہ خوبی تقدیر اس شہر میں لے آئی۔ اس شہر کا کوئی کوچہ کوئی گلی اور کوئی بازار ایسا نہیں جو مجھے نہ جانتے ہوں یا جنہیں میں نہ جانتا ہوں۔ وہی آشنا چہرے' وہی مانوس بولی ٹھولی خیال تھا کہ چار سال بعد ابتدائی طور پر کچھ اجنبیت محسوس ہو گی لیکن جدہ پہنچ کر ایسا معلوم ہوا کہ یہاں سے کبھی گیا ہی نہیں۔ ہمیشہ سے یہیں ہوں۔ ہر چیز وہی جدہ سے ایک خصوصی تعلق رہا ہے اس لیے کہ جدہ سعودی عرب کا بین الاقوامی رپورٹ ہونے کے علاوہ مکہ اور مدینہ کی درمیانی منزل بھی ہے اور ہم وطن آتے اور مکہ مکرمہ جاتے ہوئے کئی کئی دن جدہ قیام.... اور شہر گردی کیا کرتے تھے۔ جدہ ساحل سمندر پر واقع ہے اور آب و ہوا کے لحاظ سے بالکل کراچی کی مانند.... وہی گرمی اور سردی اور ہوا میں نمی۔ یہ حجاز کا سب سے بڑا شہر اور سعودی عرب کا حقیقی دارالخلافہ ہے۔ اسماً" و رسماً" ریاض کو دارالحکومت کہا جاتا ہے۔ لیکن تمام غیر ملکی سفارت خانے اور ایجنسیاں یہیں پہ واقع ہیں اور بادشاہ بھی سال کا بیشتر حصہ یہیں گزارتے ہیں۔ جدہ بہت بڑی بندرگاہ بھی ہے لیکن اس کا سمندر اس قدر خوبصورت نہیں جس قدر کراچی کا سمندر اور ساحل خوبصورت ہے۔ اس شہر کا بیرونی علاقہ بالکل جدید طرز پر تعمیر شدہ ہے ایسا ہی دکھائی دیتا ہے جیسے ہم مشرق کی بجائے مغرب کے کسی ملک میں ہیں۔ لیکن اندرونی شہر میں بلند و بالا بارہ بارہ چودہ چودہ منزلوں کے پہلو بہ پہلو ترکی دور کی تعمیر کردہ چھوٹی اینٹ کی عمارتیں بھی کافی تعداد میں قدامت اور دور افلاس کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اگرچہ ان کو بھی تیزی سے گرا کر نئی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوششیں جاری ہیں پھر بھی سیاح کو پرانے آثار مل ہی جاتے ہیں جدہ میں آ کر ایک چیز فوری طور پر محسوس ہوتی ہے کہ گویا فقیری نام کی کوئی چیز اس دنیا میں ہے ہی نہیں جدھر نگاہ اٹھتی ہے دولت کے انبار لگے نظر آتے ہیں۔ دکانیں ہر قسم کی دکانیں مال و منال سے بھری ہوئی ہیں۔ سب لوگ کاروں میں گھومتے پھرتے ہیں کاریں اس قدر ہیں

کہ کوئی اندازہ ہی نہیں۔ اکلڈین' شیورلیٹ' امپالا' مرسیڈیز' کیڈلک' بیوک' رولزرائس' امپریل اور نہ جانے کس کس صورت اور رنگ روپ کی کاریں۔ کاروں کا ایک سیلاب اُمڈا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دیس میں کوئی شخص بھی کار کے بغیر نہیں اور پھر اس بے پناہ دولت کے باوجود ہر چہرے پر ایک اطمینان ہے اور ایک آسودگی۔ کسی کو لٹ جانے کا ڈر ہے نہ پٹ جانے کا۔ ہم نے بازاروں میں اس طرح سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے دیکھے جس طرح ہمارے ہاں امرود اور مالٹوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں لیکن کوئی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کے دیکھنے والا نہیں۔ قانون محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی نے ہر شخص کو بے خوف بنا رکھا ہے۔ کسی کو کوئی دھڑکا نہیں۔ یہاں ایک سابقہ واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہو گا کہ میں ۶۳ء کے آخر میں جب پہلی مرتبہ سعودی عرب گیا تو وہاں کے امن و امان کے قصے سن رکھے تھے لیکن یقین نہ آتا تھا۔ بغداد سے جہاز نے اڑان لی اور بصرہ میں اس کے اندر کوئی خرابی واقع ہو گئی۔ دیر تک اس کے نقص کو دور کیا جاتا رہا۔ آخر' رات گئے جہاز ٹھیک ہوا اور نصف رات گزر چکی تھی۔ کہ جہاز نے جدہ ایئرپورٹ پر اپنے قدم ٹکائے۔ میرے پاس ٹریولرز چیک تھے۔ میں نے پورٹ پر اترتے ہی پوچھا کہ چیک کہاں سے بنائے جا سکیں گے۔ ایک قلی نے بتلایا پورٹ کے باہر بغل میں چینجرز کی دکانیں ہیں۔ وہاں سے کرنسی تبدیل کی جا سکتی ہے۔ باہر آیا تو سڑک سنسان ہو چکی تھی۔ حج کے ایام نہ ہونے کی وجہ سے سڑک پر کوئی راہی چلتا نظر نہ آیا۔ اس جہاز کے مسافر ٹیکسی کاروں میں اپنی اپنی منزلوں کا رخ کر رہے تھے۔ اس تاریکی اور سناٹے میں مجھے دور ایک جگہ بلب کی روشنی نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ وہی صراف (عربی میں چینجرز کو صراف کہتے ہیں) کی دکان ہے۔ قریب پہنچا تو جہاں سونے چاندی اور سٹرلنگ پونڈوں اور امریکی ڈالروں اور ملک ملک کے سکوں کے ڈھیر سے آنکھیں.... چک چوند ہو گئیں۔ وہیں تعجب اور حیرانگی اور خوف کے

ملے جلے جذبات سے سردی کی ایک لہر بھی جسم میں رینگتی محسوس ہوئی' رات کی تاریکی' پرہول سناٹا اور تنہائی اور مال و دولت کے انبار اور صرف ایک نحیف نزار بقول شخصے مریل مالک تن تنہا اس اطمینان و سکون سے بیٹھا اونگھ رہا ہے جیسے اس کے سامنے روپے پیسے کے ڈھیر نہیں بلکہ ریوڑیاں اور مونگ پھلی پڑی ہے۔ مجھے قریب پا کر اور ٹکٹکی باندھے دیکھ کر وہ چونک پڑا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا کیا بات ہے۔ میں نے عربی میں جواب دیا۔ بات تو کچھ نہیں۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ سونے چاندی کے یہ انبار اور رات کی یہ تنہائی۔ دور نزدیک کوئی نگران اور پاسبان نظر نہیں آتا جب کہ ہمارے ہاں محفوظ عمارتوں میں واقع بنکوں کے گیٹ بھی اس وقت تک نہیں کھلتے جب تک گن بردار محافظ دروازہ پر نہ ڈٹ جائے باوجود یہ کہ روپیہ اندرونی کمروں کے محفوظ لاکرز میں بند پڑا ہوتا ہے۔

وہ مسکرایا اور اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ اجنبی جوان! تمہیں نگہبانوں اور نگرانوں کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ اللہ کو نگران ماننے کے لیے تیار نہیں وگرنہ جہاں قانون محمدؐ رائج کر دیا جائے وہاں کا نگہبان خود خدا ہو جاتا ہے اور پھر ہم نے اپنے چار سالہ طویل دور اقامت میں اس کو خوب خوب آزمایا۔

بہرحال یہ سارا دن جدہ میں گزرا۔ دوپہر کا کھانا ہوٹل میں کھایا۔ میرے لیے تو کھانا کچھ ایسا نامانوس نہ تھا لیکن میرے ساتھیوں کے حلق سے اس عربی کھانے کا اترنا خاصا دشوار ہو رہا تھا۔

عصر کے بعد رابطہ عالم اسلامی کے ڈائرکٹر شیخ حسین سراج..... رابطہ کے سیکرٹری جنرل کی طرف سے ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے ہوٹل میں تشریف لائے اور دیر تک مختلف عالمی اور اسلامی مسائل پر گفتگو کرتے رہے اور آخر میں سعودی عرب میں پورے عرصہ قیام کے دوران ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے کا یقین دلایا اور رات جس گاڑی نے ہمیں ایئرپورٹ سے..... ہوٹل منتقل کیا تھا۔ اس

کے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ دوران قیام ہمارے ساتھ رہے۔
ہم نے ان کی تشریف آوری مہمان نوازی پر ان کا شکریہ ادا کیا اور مکہ مکرمہ روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

۳۰ جنوری ہفتے کے دن کا سورج تھکا ہارا ساحل جدہ سے دور کہیں سمندروں میں تکان اتارنے اور غسل کرنے چلا گیا اور ہم شام کے جھٹ پٹے میں احرام کی چادریں درست کر کے سوئے بیت الحرام روانگی کا قصد کرنے لگے۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی اور سمندر کی بوباس رچی بسی تھی اور نظریں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بابا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بنائے ہوئے شہر کی راستوں پر لگی ہوئی تھیں' ادھر گاڑی چلی ادھر دل نے دوڑنا شروع کر دیا جذبات میں تلاطم' شوق بلاخیز' تصورات گہربیز اور خیالات عطرریز شہر کے حدود سے نکل کر گاڑی اس خوبصورت چوڑی چکلی سڑک پر پھسلنے لگی جو جدہ کو بلدامین سے ملاتی ہے۔ یہ شاہراہ دہری بنی ہوئی ہے اور جدہ سے تقریباً بیس کلومیٹر کی دوری تک اس کے وسط میں سایہ دار درخت لگائے گئے ہیں نیز کناروں پر بھی خوش رنگ اور خوبصورت پودے اگائے اور سجائے گئے ہیں۔ یہ سڑک اس قدر صاف اور شفاف ہے کہ پاکستان کی شاید ہی کوئی شاہراہ اس کا مقابلہ کر سکے اور پھر اس پر ٹریفک کی وہ بھیڑ اور بھرمار ہوتی ہے کہ حساب و شمار نہیں۔ ایک ہمارے ہاں کی سڑکیں ہیں کہ ادھر بنتی ہیں اور ادھر ادھڑ جاتی ہیں اور اسی ادھیڑبن میں مسافر بھی ادھڑتے بنتے رہتے ہیں۔ جدہ سے پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر پہلی چیک پوسٹ واقع ہے جہاں اس بات کی تفتیش ہوتی ہے کہ کوئی شخص بغیر پاسپورٹ یا اس اجازت نامہ کے بغیر تو سفر نہیں کر رہا جسے عربی میں تنازل (پروانہ راہداری) کہا جاتا ہے۔ اصل میں سعودی حکومت ایام حج کے بے پناہ اضافی اخراجات کی بناء پر تمام غیر ملکی حجاج پر راہداری ٹیکس لگا دیتی ہے جس سے صرف سرکاری مہمان یا نامور غیر ملکی شخصیات ہی مستثنیٰ ہوتی ہیں۔

سرکاری طور پر اسی راہداری ٹیکس میں بس کا کرایہ بھی شامل ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کمپنی کی بس کی بجائے ٹیکسی یا کار پر سفر کرنا چاہے تو اسے اجازت ہوتی ہے لیکن تنازل سے اس کا کرایہ وضع نہیں کیا جاتا۔

جب ہم اس تفتیشی چوکی پر پہنچے تو گاڑی پر رابطہ کی پلیٹ دیکھتے ہی چیکنگ آفیسر نے ہمیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ ہی دوری پر ایک بستی آئی جس میں سعودی جیش ابیض کے لوگ آباد ہیں۔ اس بستی کے کچھ پرے سڑک کے دونوں کناروں پر پانچ سات عربی قہوہ خانے اور دو پٹرول پمپ واقع ہیں۔ یہاں تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے تک سڑک کے بیچ چھوٹے چھوٹے پودے اور ان کے اوپر رنگ برنگی ٹیوب لائٹوں کے دائرے بنا کر باغ و بہار کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں کے قہوہ خانوں میں دور دراز سے بری راستوں کے ذریعے آنے والے وہ مسافر کچھ دیر کے لیے ستا لیتے ہیں جو جدہ کی بھیڑ بھاڑ کی بنا پر وہاں پڑاؤ ڈالنا مناسب خیال نہیں کرتے۔

عربی قہوہ خانے اپنے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتے اور سیاحوں اور مسافروں کے لیے جاذب توجہ اور قابل دید ہوتے ہیں۔ ان قہوہ خانوں میں اونچی اونچی چارپائیاں بچھی ہوتی ہیں' جن کی اونچائی تین فٹ سے چار فٹ تک ہوتی ہے اور پشت.... پر ٹیک لگانے کے لیے لکڑی کے تختے لگا دیئے جاتے ہیں۔ سامنے چارپائی کے تناسب سے ایک مختصر سی میز (اسے میز ہی کہنا چاہیے) جس کے درمیان میں صراحی ڈالنے کے لیے ایک بڑا سوراخ بنایا جاتا ہے' رکھ دی جاتی ہے۔ قہوجی (یعنی وہ لڑکا جو خدمت پر مامور ہوتا ہے) گاہک کے کرسی (اسی چارپائی کو عربی میں کرسی کہتے ہیں) پر بیٹھتے ہی پانی سے بھرا ہوا شربہ (صراحی) اٹھا لاتا ہے اور اسے میز کے اس سوراخ میں ٹکا کر چلا جاتا ہے۔ گاہک کو جس چیز کی خواہش ہوتی ہے طلب کر لیتا ہے عموماً ان قہوہ خانوں میں چائے یا گرم موسم میں "پیپسی کولا" جو سعودی عرب

کا سب سے پسندیدہ مشروب ہے' کے علاوہ اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی۔ صرف جدہ سے مدینہ منورہ کے راستہ میں یا حرمین سے ریاض کی راہ میں ایسے قہوہ خانے ملتے ہیں جہاں صبح کے وقت سعودی عرب کے فول (دال) اور بقیہ اوقات میں مچھلی اور کھانے پینے کی دوسری خشک اشیاء ڈبوں میں بند مل جاتی ہیں خصوصاً جدہ سے مدینہ جاتے ہوئے رابغ اور مسطورہ کی بستیوں میں جو کنار سمندر واقع ہیں' ہمہ وقت تازہ بتازہ مچھلی تیل کے بڑے بڑے کڑاہوں میں تلی جاتی رہتی ہے۔

جدہ سے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ایک آدھ بستی اور آتی ہے باقی سارا راستہ ریت اور کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے علاوہ اور کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آتی۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً سترہ کلو میٹر ادھر سے حرم کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف بڑی بڑی برجیاں بنی ہوئی ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں سے حدود حرم شروع ہو گئی ہیں' اس مقام سے آگے کسی غیر مسلم کو جانے کی اجازت نہیں۔ اس سے کچھ آگے بڑھ کر پھر ایک بہت بڑا تفتیشی مرکز ہے جہاں باقاعدہ پاسپورٹ پر مہر لگتی اور گہری چھان بین ہوتی ہے۔ اسی جگہ مدینة الحجاج (حاجی کیمپ) بھی بنایا گیا ہے جس میں عموماً ترکی اور شام اور اردن سے بسوں پر آنے والے مسافر پڑاؤ کرتے ہیں۔ اس مقام پر بھی ہمیں روکے بغیر آگے بڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ چند قدم کے فاصلہ سے شہر مقدس کی آبادی شروع ہو جاتی ہے کہ اب وادی غیر ذی زرع (بے آب و گیاہ میدان) دس دس بارہ بارہ کلو میٹر کی دوری تک پھیل چکی ہے۔ یہاں سے پھر سڑک کے درمیان دو طرفہ خوبصورت جنگلے لگا کر درمیان میں سایہ دار اور پھول دار درختوں اور پودوں سے بلدہ طیبہ کی قدرتی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا گیا ہے یہاں سڑک کے بالکل وسط میں ایک لمبے چوڑے سفید پتھر پر انتہائی حسین و جمیل خط میں آیت کریمہ کے اس ٹکڑے کو لکھا گیا ہے۔

بلدۃ طیبۃ و رب غفور پاکیزہ بستی اور مغفرت فرمانے والا رب

واہ! اس بستی کی پاکیزگی و طہارت کا کیا کہنا جس کی تعریف و توصیف کلام مجید میں خود رب العالمین نے فرمائی ہو۔

جب ہم ام القریٰ میں داخل ہوئے تو رات نے پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا...... اور ہمارے آگے اور پیچھے حد نگاہ تک کاروں ٹیکسیوں اور بسوں کی ایک نہ ختم ہونے والی قطار لگی ہوئی تھی۔ حج میں صرف پانچ دن باقی تھے اس لیے قافلوں پہ قافلے منزل شوق کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے زبانوں پہ نعرہ ہائے تلبیہ و تکبیر تھے۔ ہر طرف ذکر الٰہی کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ رات کی ہوائے جاں فزا بیت الحرام کا لمس اپنے جلو میں لیے مشام جان کو معطر کر رہی تھی۔ آسمان پر ستارے چشمک کر رہے اور مائیکہ رحمت رہروان عشق کو جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ سرزمین کعبہ اپنی آغوش کو وا کیے ہر فج عمیق سے آنے والے' منافع حج کا مشاہدہ کرنے والے کے لیے چشم براہ تھی۔ میں نے بھیگی آنکھوں سے فضائے کائنات کو دیکھا۔ ہر چیز بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ زمین اور' آسمان اور' رنگ و بوئے دیگرے نہ جانے میرے آنسوؤں نے ان کا رنگ د روپ بدل دیا تھا یا ویسے ہی یہاں کے زمین و آسمان بدلے ہوئے تھے۔

گاڑی کی رفتار خاصی کم ہو گئی اور دھیمے دھیمے بلد محترم کی طرف بڑھنے لگی۔ آنسوؤں کی رفتار تیز ہو گئی اور نہ جانے کب ان مقدس شاہراہوں کو طے کرتے ہوئے وہ مسجد حرام کے سامنے باب السعود کے مقابل کھڑی تھی' آنسوؤں کی چلمن کو ہٹا کے دیکھا تو مسجد الحرام کے سپید سپید دل آویز اونچے اونچے مینار دودھیا روشنی میں نہائے مسکرائے کھڑے تھے اور باب السعود کی اوٹ سے (بیت رب) کی تابانیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں وفور شوق نے ہوش پر غلبہ پا لیا اور ڈرائیور سے بغیر کچھ کہے تیزی سے سوئے کعبہ لپکے۔ لبیک کا ترانہ دہلیز قبلہ پر ختم ہو جاتا ہے۔

حرم مبارک میں قدم رکھا۔ بسم للہ و الصلوۃ والسلام علی رسول للہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک سیڑھیوں سے نیچے اترے کہ البیت العتیق تک پہنچنے کے لیے اترائی میں اترنا پڑتا ہے۔ آنکھیں جھکی ہوئیں۔ دل دھڑکتے ہوئے اور لبوں پر نغمہ توحید' حرم جدید سے گزر کر حرم قدیم تک پہنچے تو بے ساختہ نگاہ اوپر اٹھ گئی خدائے واحد کی سب سے قدیم عبادت گاہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا تعمیر کردہ گھر سامنے اپنے پورے جلال اور پورے شکوہ سے ایستادہ تھا۔ بے اختیار لبوں پہ یہ آگیا۔

للھم زد بیتک ھذا تعظیما و تشریفا و مھابۃ و زد من زارہ تعظیما و تشریف و مھابۃ

اے اللہ! اس گھر کی عظمت اس کے شرف اور اس کے جلال کو اور زیادہ کر اور جس نے اس کی زیارت کی اسے بھی عظمت و شرف و جلال عطا فرما۔

اور پھر وارفتگی اور بے خودی اس طرح بہائے چلی گئی کہ کسی چیز کی خبر نہ رہی۔ ساتھی بچھڑ گئے۔ گروہ عشاق اور انبوہ دیوانگان کا وہ عالم تھا کہ اللہ اللہ' طواف کی ابتداء حجر اسود کو چومنے' چھونے یا اس کی طرف اشارہ کرنے سے ہوتی ہے اور اس ہجوم میں حجر اسود تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔ بلا مبالغہ ہزارہا دیوانے مستی و کیف میں ڈوبے پروانہ وار گھوم رہے اور جھوم رہے تھے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ حالت عمرہ میں پہلے تین چکر کچھ اکڑتے ہوئے اور کچھ دوڑتے ہوئے لگائے جائیں لیکن یہاں مطاف میں چلنا دوبھر تھا بہرحال اقتداء سنت مصطفوی میں داہنے مونڈھے ننگے کر لیے اور مقدور بھر تیز تر قدم اٹھانے کی کوشش کی۔ جانے سات چکروں میں کتنی دیر لگی۔ انہیں پورا کیا تو مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کیے کہ طواف ان سے مکمل ہوتا ہے اور پھر جو ملتزم سے چمٹے تو ماں کی گود سے زیادہ ٹھنڈک' پیار اور کشادگی کا احساس ہوا اور جی چاہا کہ چمٹے ہی رہیں اور پھر ایک ریلہ آیا اور بہا کے لے گیا۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی ملتزم سے بیس قدم آگے نکل گیا۔ دوبارہ لوٹا' ابھی طبیعت سیر نہ ہوئی تھی کہ ہجوم کی کثرت نے

پھر ایک بار قدم ہلا دیئے۔ وہاں سے ہٹ کر زمزم پر پہنچ گئے۔ سیر ہو کر آب زمزم پیا اور کعبہ رخ ہو کے التجا کی۔

اللھم اسالک علما نافعا ورزقا واسعا و شفاء من کل داء

اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم' فراخ روزی اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔

یہیں دونوں ساتھی بھی آ ملے اور پھر ہم نے سعی کے لیے اکٹھے ہی صفا و مروہ کا رخ کیا کہ ہاجرہ نے اسماعیل کے لیے پانی کی تلاش میں اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کئے تھے' کسی زمانے میں صفا و مروہ اور ان کا درمیانی حصہ مسجد حرام کے حدود سے باہر تھا۔ لیکن جب سعودی حکومت نے مسجد الحرام کی تعمیر نو کی تو حجاج کعبہ کی کثرت کی وجہ سے اسے بھی شامل مسجد کر دیا۔ پچھلی مرتبہ جب کہ ۶۷ء میں آخری مرتبہ حرم پاک میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو تب تک صفا و مروہ پر چھت تو پڑ چکے تھے۔ لیکن درمیانی مسافت پر فرش نہیں تھے صرف اونچے نیچے ناہموار پتھروں کو ہموار کر دیا گیا تھا اور بس اب کی مرتبہ دیکھا کہ اس پر خوبصورت سنگ ابیض کا فرش بھی ہو چکا ہے اور درمیان میں جنگلہ لگا کر آنے جانے کے راستوں کو الگ کر دیا گیا ہے تاکہ بھیڑ میں آتے جاتے ہوئے باہم ٹکراؤ نہ ہو۔ اسی طرح ایک اور اچھا اقدام یہ کیا گیا کہ جنگلے کے دونوں اطراف میں ایک ایک اور جنگلہ لگا کر تقریباً تین فٹ راستہ ان ریڑھیوں کے گزرنے کے لیے الگ کر دیا گیا ہے جن پر کمزور اور معذور سوار ہو کر سعی کرتے ہیں۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے عام حالات میں جوان آدمی کو تقریباً پون گھنٹہ لگتا ہے لیکن اژدہام کی وجہ سے گھنٹے سوا گھنٹے سے کم میں سعی مکمل نہیں ہو سکتی۔ طواف اور سعی کی تکمیل کا معنی ہوتا ہے کہ عمرہ کے ارکان ختم ہو گئے۔ اس کے بعد سر کے بال منڈوائے یا کٹوائے جاتے ہیں۔ ہم نے حرم کے

سامنے ہی ایک دوکان سے حجامت بنوائی اور معلوم ہوا کہ اس نے نہ صرف سر کی بلکہ اپنی بھی حجامت کر دی ہے۔ جبکہ اس نے سر منڈائی پانچ پانچ ریال یعنی تقریباً تیرہ تیرہ روپے فی کس طلب کئے۔ وہاں سے فراغت ہوئی تو گاڑی یاد آئی..... باب سعود پر واپس آئے تو ڈرائیور کو منتظر پایا۔ وہ مرد شریف انتظار میں ادھ موا ہو چکا تھا۔ اس سے معذرت کی اور تھوڑی دیر کی رخصت لے کر دوبارہ حرم میں داخل ہو گئے کہ ابھی طبیعت بھری نہیں تھی..... سب سے پہلے نماز عشاء کہ ابھی تک ادا نہیں کی تھی۔ ادا کی اور پھر دوبارہ مطاف میں چلے گئے یہاں بار بار اقبال کی رباعی کا یہ شعر یاد آ رہا تھا

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
اے مولا مجھے صاحب جنوں کر

رات کافی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ حرم کعبہ کا منظر ویسے ہی بڑا دلکش ہوتا ہے اور رات کے وقت تو اس کی دل آویزی اور دل ربائی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ چاروں طرف ٹیوب لائٹس اور بجلی کے قمقمے جگ مگ کرتے ہیں۔ درمیان میں بیت اللہ اپنی عظمت و ہیبت کے ساتھ سرچ لائٹوں کی روشنیوں میں نہائے عجیب روح پرور اور ایمان افروز نظارے پیش کرتا ہے۔ کتنی ہی دیر تک ہم اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے اور پھر اچانک مجھے ماضی کی ایک یاد آئی کہ آج سے چھ برس پیشتر رات کے پچھلے پہر حجر اسود کے عین مقابل اور چاہ زمزم کے پڑوس میں اپنی اہلیہ کے ساتھ دیر تک بیٹھا اپنے رب سے مناجاتیں کرتا رہا تھا اور اس خیال کے آتے ہی اسی مقام پر پہنچا اور دیر تک اس کی صحت سلامتی اور مسرت کی دعا مانگتا رہا اور پھر مجھے اس سے بھی ایک سال پرانی وہ رات بھی یاد آ گئی کہ جب کہ مدینہ یونیورسٹی میں ایک دن اچانک کلاس سے نکلتے ہوئے مجھے درد گردہ کی شکایت ہوئی اور دوست احباب جلدی سے اٹھا کر یونیورسٹی ہسپتال کی طرف لے گئے۔ وہاں

سے ڈاکٹر کی ہدایت پر شہر کے بڑے مستشفی (کہ عربی میں ہسپتال کو مستشفی کہتے ہیں) مستشفی الملک لے گئے وہاں انجکشن وغیرہ دیئے گئے اور ایکسرے رپورٹ سے پتہ چلا کہ گردے میں پتھری بن گئی ہے۔ خدا کی قدرت کہ ان دونوں ہسپتال کے بڑے سرجن اور ڈاکٹر چھٹی پر تھے۔ آٹھ دن تک میں ہسپتال میں ایڑیاں رگڑتا رہا۔ آخرش نویں دن فیصلہ ہوا کہ پتھری کا اپریشن کر دیا جائے۔ اپریشن کا نام سنتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے اور اس وجہ سے بھی کہ بغیر اپریشن ہی یہ ٹیکوں کی لمبی لمبی سوئیوں سے مارے دیتے ہیں اور اگر اپریشن ہوا تو خدا جانے کیا ہو۔

عصر کے بعد میں نڈھال پڑا ہوا تھا کہ حسب معمول یونیورسٹی کے دوست آ گئے۔ دیر تک پرسش احوال ہوتی رہی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ صبح اپریشن کی ٹھانی گئی ہے تو سب نے مخالفت کی اور ان میں سے چند مدیر مستشفی کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ اگر اپریشن ضروری ہے تو مریض کو پاکستان بھیج دیا جائے۔ مدیر نے کہا کہ عالم نقاہت میں سفر مناسب نہیں۔ دوست بڑے گھبرائے اور آپریشن ہی کو ملتوی کرنے کی سفارش کی۔ مدیر نے چارٹ دیکھنے کے بعد التواء جراحت سے بھی انکار کر دیا اور میں نے ان کی پریشانی کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ حال اچھا نہیں اور پھر عین اسی وقت ایک خیال بجلی کی طرح کوندا۔ میں نے ایک ساتھی صلاح الدین کو کہا۔ دوست تم جاؤ اور مکہ مکرمہ کے لیے ٹیکسی لے آؤ۔ تم اور ایک اور ساتھی میرے ساتھ چلو گے۔

لیکن اس عالم میں سفر کیسے ہو گا؟

جیسے بھی ہو میں نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

لیکن ہسپتال سے رخصت؟ یاد رہے کہ سعودی ہسپتالوں میں تمام علاج قطعی طور پر مفت ہوتا ہے۔ اس لیے مریض پر کچھ پابندیاں بھی نسبتاً زیادہ ہیں۔

میں نے کہا۔ بغیر اجازت چلیں گے اور اگر زندگی رہی تو جو بھی ہو گا نبٹ لیا

جائے گا۔

چنانچہ ہسپتال کے ایک پہلو سے دیوار پھاند کر مجھے نکلا گیا اور ٹیکسی مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہو گئی اور جب رات گئے حرم کعبہ کے سامنے رکی تو شدت نقاہت... سے میرے ہوش حواش تک گم تھے۔ دونوں ساتھیوں نے سہارا دے کر نیچے اتارا' باہر ہی وضو کیا اور دونوں دوست تھام کر باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہوئے۔ اسی عالم میں طواف کیا اور ملتزم سے جو چمٹا تو دل کھول کر رکھ دیا۔ الٰہی! موت ہی آنی ہے تو تیرے در پر کیوں نہ آئے۔ پردیسی مسافر اور بیمار' وطن سے دور۔ گھر والوں سے دور۔ مولیٰ تیرے سوا تو کوئی پرسان حال بھی نہیں۔ اور مجھے اب تک یاد ہے کہ ابھی میں... ملتزم سے نہ ہٹا تھا کہ پیاس اور نقاہت نے بے حال کر دیا۔ ساتھیوں نے مجھے ہٹانا چاہا لیکن میں نے انکار کرتے ہوئے وہیں پانی مانگا۔ وہ جلدی سے بھاگے زمزم کا شربہ (صراحی) بھر لائے اتنی دیر میں' میں گر چکا تھا۔ انہوں نے مجھے سہارا دے کر پانی پلایا۔ کچھ ہوش درست ہوئے..... تو پیشاب کی خواہش ہوئی۔ جلدی سے حرم کے باہر آئے۔ طہارت گاہ میں پہنچ کر پیشاب جو کیا آدھ انچ سے لمبی اور دو سوتر موٹی پتھری نکل کر باہر آ پڑی اور ساتھ ہی محسوس ہوا کہ مرض کبھی پاس پھٹکا ہی نہیں اور جب میں غسل خانے سے باہر نکلا تو ساتھی میری رنگت اور حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

میں نے انہیں بتلایا۔ رب کعبہ نے کعبہ میں مانگی ہوئی اپنے بندے کی فریاد سن لی۔ اور پھر سپیدہ سحر کے نمودار ہونے تک رب کعبہ کا شکریہ ادا کرتا رہا اور جب مدینہ طیبہ واپسی ہوئی اور ہسپتال کے وارنٹ پہنچے اور مدیر مستشفی کے سامنے پیش ہوا تو وہ دنگ رہ گیا کہ بیماری کہاں گئی' اور جب میں نے اسے ماجرا سنایا تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔

اور اس رات وہ رات بھی یاد آ رہی تھی اور' اور کئی راتیں۔ وہ رات بھی

جب سابق شاہ سعود ۱۹۶۴ء میں رمضان کی پچیسویں شب حرم کعبہ میں آئے میں ان دنوں مسجد الحرام میں معتکف تھا۔ حرمین میں رمضان کی راتوں میں نماز تہجد با جماعت بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس رات قاری سورہ ہود کی تلاوت کر رہا تھا۔ میں پہلی صف میں امام کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ قاری نے جب دو رکعت کے بعد سلام پھیرا' تو پچھلی صفوں میں کچھ حرکت ہوئی۔ مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا شاہ سعود نماز تہجد کے لیے آئے ہیں۔ امام نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور امامت کی درخواست کی۔ شاہ نے پوچھا کہ کون سی سورت پڑھی گئی۔ امام نے بتلایا' اگلی سورت سورہ یوسف تھی۔ شاہ آگے بڑھے۔ مصلیٰ پر کھڑے ہوئے اور سورہ یوسف کی تلاوت شروع کی۔ ان ہی دنوں بھائیوں میں کچھ باہمی تنازعات تھے اور شاہ کچھ شکستہ دل تھے اور پھر عین انہی ایام اور انہی حالت میں صحن کعبہ' رات کا پچھلا پہر' شاہ کی ذات' عرب کا لہجہ' سوزدروں اور سورہ یوسف کے کلمات اور جب بات برادران یوسف تک پہنچی تو شاہ کی ہچکی بندھ گئی اور مقتدیوں کے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ فضا میں ہر طرف سسکیاں اور ہچکیاں گونجنے لگیں۔

بہرحال دیر تک مناظر و منافع حرم سے لطف اندوز اور بہرہ ور ہوتے رہے واپس آئے تو رات کافی بیت چکی تھی اور ڈرائیور ہمارا انتظار کرتے کرتے تھک کر سو چکا تھا۔ اسے جگایا اور واپس جدہ روانہ ہوئے۔ جاتے ہی پہلے احرام کھولا غسل کیا اور نماز فجر ادا کر کے سو گئے۔ کافی دن چڑھے آنکھ کھلی تو جدہ میں رابطہ کے آفس سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ آفس سیکرٹری نے اپنے آفس آنے کی دعوت دی اور ہم وہاں پہنچے تو ایک خوش پوش ادھیڑ عمر کے مہذب آدمی نے ایک سجی سجائی کوٹھی کے دروازے پر ہمیں خوش آمدید کہا اور اپنے کمرے میں لے گئے۔ مجھ سے عربی زبان سن کر ابتدائی طور پر کچھ تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن جب میں نے انہیں اپنی عربی تالیف "القادیانیت" پیش کی اور مدینہ یونیورسٹی میں طالب علمی کا

قصہ بیان کیا تو ان کا استعجاب ختم ہوا۔ باہمی گفتگو کے بعد انہوں نے بتلایا کہ امسال حجاج کی کثرت اور ایام حج کے انتہائی قریب آ جانے کی بناء پر مکہ مکرمہ کے کسی ہوٹل میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اس لیے آپ دو تین دن یہیں جدہ میں قیام کریں اور اگر چاہیں تو روزانہ مکہ مکرمہ چلے جایا کریں اور رات کو واپس آ جایا کریں اور پھر تو ایام حج آ جائیں گے اور اس کے بعد جگہ ملنی کچھ دشوار نہ ہو گی۔ میں نے انہیں بتلایا کہ ہوٹل ہمارے لیے کوئی اتنی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ مکہ مکرمہ میں اگر ہوٹل میں انتظام نہیں ہو سکتا نہ ہو کسی اور جگہ ہی چند دن گزارنے کا بندوبست کر دیں تاکہ اس قربت میں دوری نہ رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے حرم کعبہ کے پڑوس میں ایک فلیٹ کا انتظار کر رکھا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں وہاں آپ کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ ہم نے اس پر صاد کیا۔ انہوں نے وہاں ٹیلی فون کر دیا اور ہم اسی دن ۳۱ جنوری کو عصر کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ روانہ ہونے کے لیے تیاری کرنے لگے۔

۳۱ جنوری اتوار کے دن عصر کی نماز ادا کر کے ہم بلدہ مبارک کی روانگی کے لیے تیار ہو بیٹھے۔ ایشیا ہوٹل کے مینجر نے بلوں پر دستخط لیے اور ہم ڈرائیور کا انتظام کرنے لگے جو عصر کے قریب آنے کا وعدہ کر کے گیا اور ہنوز واپس نہیں آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور شرفاء عرب کے روایتی انداز میں لمبی چوڑی معذرت کی اور آخر میں جدہ میں رابطہ کے مندوب کی جانب سے ایک خط دیا جس میں مکہ مکرمہ میں رابطہ کے مہمانوں کی نگہداشت کے کفیل جناب امین طالب کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ ہماری ضروریات کا پوری طرح خیال رکھیں اور ہمیں کسی بھی قسم کی سہولت بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

تھوڑی دیر بعد ہم جدہ کی بالا و بلند عمارتوں کو پیچھے چھوڑ چکے اور شہر جمیل اور لد خلیل کے روشن راستوں میں کھو چکے تھے۔ ان راہوں پر کتنی عقیدتیں رکوع

اور کتنی محبتیں سجود کرتی ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ ان راہگذاروں سے گزرنے والے ہی کر سکتے ہیں کہ نا آشنائے راہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مجھے دنیا کے اور بھی کئی ایک ملکوں اور شہروں میں جانے کا موقع ملا۔ رنگ برنگ کے دیسوں اور قسم قسم کے شہروں میں لیکن دوسری مرتبہ جاتے ہوئے کبھی وہ امنگ اور ترنگ محسوس نہ ہوئی جو پہلی مرتبہ جاتے ہوئے تھی۔ یہ امتیاز صرف سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بابا ابراہیم علیہ السلام کے شہر یا آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بستی کو حاصل ہے کہ انسان جب بھی اور جتنی مرتبہ بھی ان کی طرف روانگی کا قصد کرے اپنے اندر ایک نیا ولولہ' نیا جوش' نیا ہمہمہ اور نیا شوق پاتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اس کا دل اس کا دماغ' اس کی روح اور اس کا تخیل اسے پیچھے اور بہت پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔

مجھے کعبہ کے مالک نے تقریباً سو سے زیادہ مرتبہ اپنے گھر میں حاضری کی توفیق بخشی کہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کے دوران تقریباً ہر مہینہ میں ایک دو مرتبہ ضرور حجر اسود کو چومنے' گرد کعبہ گھومنے اور حالت طواف جھومنے آ جاتے لیکن میں نے کبھی بھی مکہ کی راہوں میں طبیعت میں ملل اور جسم میں کسل کو نہیں پایا بلکہ ہر آنے میں ایک نیا سرور' نیا حظ اور نیا کیف حاصل ہوتا' جون بچھڑی ہوئی کونج سوئے ڈار اڑی چلی جائے اور آج ان شاہراہوں پر کچھ زیادہ ہی بھیڑ تھی کہ مئے توحید سے سرشاروں اور معرفت کے بادہ گساروں کے قافلے کچھ زیادہ ہی ہو گئے تھے' پیدل ہوتے تو یقیناً کہا جا سکتا کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور اب گاڑی سے گاڑی رگڑ کھاتی تھی۔ کار رکتی تو جسم دل سے اور پیچھے رہ جاتا اور تصور' ادراک سے اور آگے نکل جاتا۔ میں بار بار ڈرائیور کو کہتا۔ عبداللہ! (کہ اس کا نام تھا) بھائی! آج گاڑی کو کیا ہو گیا ہے چلتی ہی نہیں وہ مسکراتے ہوئے میرے اشتیاق کو دیکھتا جس نے رفتہ رفتہ اضطراب کا روپ دھار لیا تھا اور دھیرے سے

کہتا۔ استاذ! گاڑی دوڑانے کے لیے راستہ تو ہو۔

اور میں عربی کے ایک قدیم شعر میں ڈوب جاتا ”کاش میرے پر ہوتے اور میں رکلوٹوں سے اونچے بہت اونچے اڑتے ہوئے محبوب کو جاپاتا۔

اور جب ہم باب مکہ پر دستک دے رہے تھے۔ تب بیت اللہ کے موذن فضا میں اپنے دلکش ترانے بکھیر رہے تھے ’اللہ اکبر! اللہ اکبر‘ اللہ اکبر‘ اللہ اکبر۔

مجھے ایسے لگا جیسے بلال رضی اللہ عنہ تعالیٰ‘ بلال رضی اللہ عنہ تعالی حبشی‘ موذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ابی قیس پر چڑھا لات و منات کا مضحکہ اڑا رہا اور عزیٰ و ثالث کی شکست و ریخت کر رہا ہو۔ اللہ اکبر ‘اللہ اکبر ‘اللہ اکبر‘ اللہ اکبر۔

امیہ اسے کہتا ہے بلال! لات و منات کیا ہوئے‘ عزیٰ و ثالث کہاں گئے۔ ہبل و ہبل کو کیسے فراموش کردیا؟ اور وہ جوابا” کہتے ہیں اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ۔

مشرکین چیختے ہیں چلاتے ہیں بلال تجھے محمد (فداہ روحی) نے ورغلایا اور پھسلایا ہے اور وہ نعرہ بلند کرتے ہیں اشہدان محمدا رسول اللہ۔ اشہدان محمدا رسول اللہ۔

وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسے بھاگتے ہیں کہ آوازۂ بلال ان کا تعاقب کرتا ہے۔ بھاگتے کہاں ہو۔ حی علی الصلوۃ۔ حی علی الصوۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔

اور نہیں مانتے نہ مانو اپنا تو یہی عقیدہ ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔

مدھر تانیں ابھرتی رہیں اور بول پھیلتے رہے اور یہ سازوں کی آواز سے ہم آہنگ ہو کر آنکھوں کی راہ سے سر ابھارتا رہا‘ اور پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ آنسوؤں کے قطرں کا دل کے تاروں پہ رقص کتنا دلربا اور دل فریب ہوتا ہے۔

استاذ احسان! حرم میں بے پناہ رش ہو گا اور گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ بھی نہیں ہو گی۔ کیا نماز کہیں باہر نہ پڑھ لیں‘ ڈرائیور کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

بھیگی نگاہیں اٹھائیں تو دیکھا کہ ”ام القری“ آغوش شفقت وا کیے مسکرا اور

جگمگا رہی ہے۔

بستیوں کی ماں! میں تیرے چرنوں میں گناہوں کی سیاہی کو دھونے اور اپنے رب کی بخششوں کو ڈھونڈنے کے لیے آیا ہوں۔

ڈرائیور نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا اور گاڑی کی رفتار اور دھیمی ہو گئی۔ میں نے کہا کہ اب جب یہاں پہنچ ہی گئے تو نماز بیت اللہ میں ہی پڑھیں گے لیکن جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ مسجد حرام کے اندر داخل ہونا تو بڑی بات اس کے باہر قرب و جوار میں دو سجدوں کی جگہ پانا بھی کارے وارد ہے۔ حرم سے باہر چاروں طرف دور دور تک صفیں چلی گئیں ہیں اور اڑوس پڑوس میں پاؤں رکھنے کے لیے بھی جگہ نہیں چہ جائیکہ سر رکھا جا سکے۔ ناچار جناب امین طالب کے ڈیرے پر پہنچے اور وہیں نماز مغرب ادا کر کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک چھوٹے قد' بھاری جسم کشادہ پیشانی' چپٹے ناک' سرخ سپید رنگت' اور خشخشی سفید ڈاڑھی والا.... بوڑھا شخص ڈیرے میں داخل ہوا تو وہاں موجود بیشتر لوگ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ یہ امین طالب ہیں اور ترکستانی الاصل ہمارے ڈرائیور نے انہیں جدہ میں رابطہ کے مندوب کا مکتوب دیا تو شیخ نے اسے پڑھے بغیر ہی گرم جوشی سے ہمارے ساتھ مصافحہ کیا اور خادم کو ہمارے لیے کھانے کا کہہ کر خود ہمیں پڑوس کی ایک عمارت.... عمارہ بن زقر کی طرف لے چلے۔ تیسری منزل میں ایک خوبصورت فلیٹ ہمارے لیے آراستہ کیا جا چکا تھا۔ تین آرام دہ اور خوبصورت بستر' چار کرسیاں' میز غالیچہ اور ساتھ ہی پڑوس سے فوری طور پر ٹیلی فون بھی مہیا کر دیا گیا۔ اور ریفریجریٹر بھی رکھوا دیا گیا اور پیپسی کولا کے دو بڑے ڈالے بھی ہمارے کمرے میں داخل ہوتے ہوتے ہی رکھوا دیئے گئے۔ اتنی دیر میں خادم کھانا لے کر آ چکا تھا۔ چاولوں کی سینی اور اوپر تین چرغے.... ہم نے شیخ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے لیے اس قدر زحمت فرمائی۔ وہ معذرت فرمانے

لگے۔ کہ ہجوم حجاج کے سبب وہ کچھ مہیا نہیں کیا جا سکا جو چاہیے تھا۔ تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گئے اور خادم وہیں ہمارے ہاں چھوڑ دیا۔ پہلی دفعہ ساتھیوں نے سیر ہو کے کھانا کھایا کہ یہ پاکستانی کھانوں کے قریب تر تھا اور نمک مرچ کی کمی شطہ (پسی اور پانی میں گھلی ہوئی سرخ مرچ) ڈال کر اور سمندری نمک چھڑک کر پوری کر لی گئی۔ اور پھر جلدی سے حرم روانہ ہو گئے۔ مبادا جگہ نہ مل سکے۔ ابھی نماز عشاء میں پون گھنٹہ باقی تھا لیکن حرم کعبہ میں تل دھرنے کو جگہ اور اندر داخل ہونے کو راستہ تک نہ تھا۔ مستان الست دہلیزوں تک میں چادریں بچھائے بیٹھے تھے اور لمحہ بہ لمحہ ان کا پھیلاؤ بڑھتا چلا جا رہا اور وسعت و کشادگی گھٹتی ... اور سمٹتی جا رہی تھی۔ بڑی مشکل اور جدوجہد سے حرم جدید سے حرم قدیم تک پہنچے اور ابھی سانس درست نہ کر پائے تھے کہ منادی رب ندا دینے لگا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اور ہمیں تب معلوم ہوا کہ سو گز فاصلہ طے کرنے میں کبھی آدھ گھنٹہ بھی لگ جایا کرتا ہے۔

ایام حج میں بھیڑ کی وجہ سے اذان و نماز میں فاصلوں کو گھٹا دیا اور نمازوں کو مختصر کر دیا جاتا ہے۔ پانچ منٹ بعد نماز کھڑی ہو گئی اور امام حرم کی آواز پر سر جھکنے اور اٹھنے لگے۔ نماز' اور حرم کعبہ میں' اور قبلہ کے روبرو۔

واہ اس نماز کے کیا کہنے۔ اس ایک نماز پر ہزاروں نمازیں نثار کہ رسول ہاشمی علیہ السلام نے فرمایا۔

"یہاں کی ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی لاکھ نماز سے بہتر و برتر ہے۔"

حرم مکی میں نماز باجماعت کا منظر دیدنی ہوتا ہے۔ چہار سو انسان ہی انسان او ہر چہار طرف سے قبلہ رخ بوسہ ہائے شوق اور سجدہ ہائے ذوق' دکھائی دیتے جیسے قدوسیوں کی فوج ظفر موج تسبیح کناں عرش سے فرش پر اتر آئی ہے اور ایسے میں مسجد حرام رشک فردوس و عدن نظر آئے تو حیرت کیسی؟

جہانگیر نے تو کشمیر کے مرغزاروں کو دیکھ کر کہا تھا۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اور مجھے بیت عتیق کی دل آویزیاں اور دلربائیاں رہگزار مکہ میں ہی .... اسی شعر کو دہرانے پر انگیخت کر دیتیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ منزل ملائک بھی ہے اور فرود گاہ رحمت بھی کہ کسی لمحہ بھی اس کا صحن ستر ہزار فرشتے سے خالی نہیں رہتا اور پھر اسی کو تو ہاجرہ و اسماعیل (علیہما السلام) کا مسکن اور سرور کونین ﷺ کا مولد بنایا گیا اور اسی کی چوکھٹ پر اس نے اپنے سر کو جھکایا کہ کائنات جس کے سامنے جھکتی تھی' اور دنیا میں کن سنگریزوں اور پتھروں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ میرے آقا و مولیٰ نے اپنے لب لعلین و دست مبارک سے ان کو چوما اور ان کو چھوا۔

دیوار کعبہ! تو مبارک کہ یتیم مکہ ﷺ نے تیرے سینے سے اپنے سینے کو مس کیا۔

باب کعبہ! تو مقدس کہ تیری دہلیز میں خاتم النبین ﷺ نے سجدے کیے۔
ملتزم! تو محترم کہ رؤف و رحیم تجھ سے لپٹے اور چمٹے۔
حجر اسود! تو عزیز تر کہ خاتم الانبیاء ﷺ نے تجھ پر اپنے لب رکھے۔
رکن یمانی! تو مکرم کہ طیب و طاہر کے بابا ﷺ نے تجھ کو سہلایا اور تھپکایا۔
مقام ابراہیم! تو محتشم کہ سرتاج انبیاء ﷺ نے تجھے اپنے سجدوں سے سجایا۔
زمین حرم! تو ساری کی ساری گرامی منزلت کہ سرور گرامی منزلت ﷺ کی پیشانی نے تیرے بوسے لیے۔

ایام حج میں سرزمین حجاز پر واقعی بہار آجاتی ہے اور رنگ برنگے شگوفے اس کی گود میں کھلتے اور طرح طرح کی کلیاں اس میں مسکراتیں اور قسم قسم کے پھول اس میں نظر نوازی اور روح پروری کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ جدھر دیکھو ایک نئی شان'

نئی آن نئی بان نظر آتی ہے۔ کئی گورے انتہائی گورے موتیے کے پھولوں کی طرح سفید... اور کہیں کالے انتہائی کالے بلیک روز (سیاہ گلاب) سے بھی کالے اور کچھ گلابی اور شہابی اور کچھ گیندے کی طرح بھانت بھانت کے رنگ اور بھانت کی بولیاں اور دیس دیس کے لوگ' ہمالہ کی ترائیوں سے لے کر جبل برانس کی چوٹیوں تک کے رہنے والے اور ساحل نیل سے لے کر ارض کاشغر تک کے بسنے والے' ایک ہی لباس میں ملبوس اور ایک ہی رجزلبوں پر' حرمین میں انسان اپنی آنکھوں سے رنگ و نسل کے ان بتوں کو پاش پاش دیکھتا ہے جنہیں رسول اکرم نے چودہ سو سال پیشتر بطحا مکہ کے پڑوس عرفات میں چکنا چور کر دیا تھا۔ کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں' فضیلت کا معیار ایک ہی ہے اور وہ ہے تقرب الی اللہ اور طہارت باطنی' جتنا کوئی زیادہ طاہر اور جتنا کوئی زیادہ متقی ہے وہ اسی نسبت سے دوسروں سے ممتاز تر ہے۔

انسان اس منظر کی رعنائی اور زیبائی میں کھو کھو جاتا ہے اور یہ یک رنگی اس کے دل کو موہ موہ لیتی ہے' مساوات' برابری' مروت اور محبت کے یہ مناظر سرزمین حجاز کے علاوہ اور کہاں دیکھنے میں آتے ہیں' اور پھر اس بھیڑ بھاڑ میں کوئی دنگا نہیں۔ کوئی فساد نہیں۔ لڑائی اور جھگڑے کا نام و نشان نہیں۔ عادات میں تفاوت' زبانوں میں اختلاف' رنگوں میں فرق' اجسام میں تباعد لیکن ارواح میں تقارب۔ خیالات میں یک رنگی اور افکار میں یگانگت۔ اذہان و قلوب کی تمام دوریوں کو قرب میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

حرمین میں بھیڑ کی وجہ سے کسی کو دھکا لگ جائے تو چہروں پر ملال اور پیشانیوں پر بل نہیں بلکہ ندامت اور معذرت کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور زبان سے ناآشنائی کے باوصف حرکات کی شناسائی اس کے اعتذار کو ظاہر کیے بغیر نہیں رہتی۔ کوئی تو سر کو فروتنی سے خم کرتا۔ کوئی ہاتھ کو عاجزی سے سینے پر رکھ کر پلکیں جھکا

کے زبان بے زبانی سے کہتا ہے۔ بھائی بھول ہو گئی معاف کر دو۔ ایک مرتبہ جب ایک جوان رعنا حبشی کے دھکے سے میرے پاؤں اکھڑ گئے تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کو چوم لیا اور پھر اسے اپنے سینے پر رکھ کر اپنی غلطی پہ پشیمانی کا اظہار کرنے لگا۔ اور مجھے محمد عربی علیہ السلام کی امت کے اس گرانڈیل.... جوان خوبرو کی اس ادا نے اتنا متاثر کیا کہ دل و دماغ جھوم جھوم اٹھے اور جی چاہا کہ اس سے لپٹ جاؤں کس قدر عجز تھا اور کس قدر انکسار' حالانکہ یہی رش اور یہی ہجوم اگر کسی اور مقام پر ہو تو اختلاف طبائع اور اختلاف نسل کئی جانوں کو لیے اور کئی جسموں کا خون بہائے بغیر نہ رہے۔

نماز عشاء کے فوراً بعد طواف کا سلسلہ شروع ہوا اس دن بلا مبالغہ پندرہ بیس ہزار انسان بیک وقت کعبہ معظمہ کے گرد طواف کر رہے تھے اور بیت اللہ اسی طرح دکھائی دے رہا تھا جیسے ہالے کے اندر چاند۔

ہم دیر تک بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتے رہے لیکن رات گزرنے کے ساتھ ساتھ اژدھام تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے رات بھیگ گئی اور کافی دیر گئے ہم اٹھے' طواف کیا اور سونے کو چل دیئے۔ حرم سے باہر نکلے تو ایسے جانا جیسے دن نکل آیا ہو وہی دن کی گہما گہمی اور رونق اور وہی بھرے پرے بازار' اور اوپر سے تیز و شوخ اور دودھیا لائٹوں کی روشنیاں۔

پورے حجاز میں یہ عجیب چیز دیکھنے میں آئی ہے کہ یہاں رمضان المبارک میں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ سارا کاروبار رات کو ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ڈاک خانے رات کو کھلتے ہیں اور پھر صبح سورج ڈھلے تک کاروبار مکمل طور پر بند رہتا ہے۔ عصر کے بعد دکانیں کھلتی اور بازار سجتے ہیں اور جوں جوں خاور مشرق اپنی مملکت سے پسپا ہوتا جاتا ہے سج دھج بڑھتی جاتی اور کاروبار میں تیزی آتی جاتی ہے۔

اسی طرح حرمین میں ایام حج میں رات کو بھی وہی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے جو دن کا

خاصہ ہوا کرتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایام رمضان میں دن سوتے ہیں جبکہ ایام حج میں دن بھی جاگتے ہیں اور راتیں بھی بیدار رہتی ہیں۔ ہاں نصف رات گئے دکانیں ضرور بند ہو جاتی ہیں لیکن سڑکوں پر بھیڑ بھاڑ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ مسجد الرسول اور بیت اللہ میں آنے جانے والوں کا ایک نہ ٹوٹنے والا تانتا ہر وقت بندھا رہتا ہے اور پھر قافلوں کی آمدورفت بھی ہروقت جاری رہتی ہے۔

ہماری فرودگاہ مسجد الحرام سے تقریباً پونے فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ وہاں پہنچتے پہنچتے آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں اور خدشہ تھا کہ صبح نماز فجر کے لیے آنکھ کھلے نہ کھلے لیکن ابھی مرغان سحر اپنی نوا سنجیوں سے ساکنین فرش کو مستوی عرش کی بارگاہ میں حاضری کی ندائیں دے رہے تھے۔ کہ آنکھ خود بخود کھل گئی' یہ دیکھ کر اور تعجب ہوا کہ دونوں ساتھی بھی عین۔ اسی لمحہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ رہے تھے۔ ابھی بستر کو چھوڑا بھی نہ تھا کہ حرم کے سپیکروں سے وہ دلکش نغمہ کانوں میں..... رس گھولنے لگا جو چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں سے بلند ہوا تھا۔

حرمین میں اذان فجر سے گھنٹہ بھر پہلے ایک اور اذان ہوتی ہے جسے اذان تہجد کہا جاتا ہے۔ یہ وہی اذان تھی' ہم نے خداوند کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے گھر کے پڑوس میں آہ سحر گاہی کی توفیق عطا فرمائی اور سخت تھکاوٹ اور گہری نیند کے باوصف اپنی رحمت سے بیدار کر دیا۔ جلدی جلدی غسل کیا۔ تکان ایسے غائب ہوئی جیسے کبھی ہوئی نہ تھی' اور حرم کی طرف چل دیئے۔ بیت الحرام میں دیوانگان رب اپنی سسکیوں سے اپنے رب کو منا رہے اور اپنی آہوں سے اپنی لغزشوں کی معافی کی التجا کر رہے تھے۔

آہیں اور سسکیاں فضا میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں اور ان کی سنسناہٹ پر ملائیکہ رحمت کے پروں کی سرسراہٹ کا گماں ہوتا تھا اور واقعی سجدوں

نے اس روز وہ سماں باندھا کہ باید و شاید' اور قیام و سجود نے اس دن وہ سرور دیا کہ ہنوز اس کی شیرینی و مٹھاس محسوس ہو رہی ہے۔ نوافل سے فارغ ہوئے تو طواف سے دل شاد کیا اور ابھی رکعات طواف ختم نہ کی تھیں کہ موذن نماز فجر کی خبر دینے لگا اور نماز شروع ہو گئی۔ بوڑھے عربی امام نے بڑی سادگی اور رقت کے ساتھ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد "والفجر" کی تلاوت کی اور دوسری میں "لااقسم بهذا البلد کی' حرمین کی مساجد میں خصوصاً اور تقریباً پوری عرب دنیا میں عموماً نمازوں میں قرآن حکیم بڑی سادگی اور سوز سے پڑھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کی طرح نمازوں میں سر وغیرہ کا کوئی رواج نہیں بلکہ اسے ناپسند بھی کیا جاتا ہے' اپنے قیام مدینہ اور متعدد عرب ملکوں کی سیاحت کے دوران کئی ایک انتہائی خوش الحان عرب قاریوں کے پیچھے نمازیں پڑھنے کا اتفاق ہوا لیکن انہیں دوران نماز کبھی گلوکاری کے جوہر دکھاتے ہوئے نہیں پایا۔ صاف اور سادہ انداز میں تلفظ اور ادائیگی کی صحت کا ضرور خیال رکھا جاتا ہے اور بس یہی سبب ہے کہ عربوں کے ہاں نمازوں میں تلاوت سے جو حظ حاصل ہوا وہ عجم میں کہیں کہیں اور خال خال ہی حاصل ہوتا ہے کہ ہر جگہ عجم کا حسن طبیعت ہی کام نہیں آتا عرب کے سوز دروں کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

نماز فجر کے بعد مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں بھی' درس کے مختلف حلقے بن جاتے ہیں۔ جہاں انتظامیہ کی طرف سے مختلف ملکوں کے حجاج کے لیے ان کی زبان جاننے والے واعظ اور مدرسین لوگوں کو حج وغیرہ کے مسائل سے آگاہ کرتے اور دین و دنیا کی بھلائی کی راہ دکھلاتے ہیں۔ نیز دیس دیس سے آئے ہوئے کئی دیگر علماء بھی انتظامیہ سے اجازت لے کر محفلیں جماتے اور حلقے سجاتے ہیں اور سورج چڑھے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بعینہ عصر کے بعد کچھ کم کم اور مغرب کے بعد بھرپور انداز سے وعظ ہوتے اور درس جمتے ہیں چونکہ تمام گوشوں میں خطاب

بغیر لاؤڈ سپیکر کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس خطیب کا حلقہ سب سے بڑا ہوتا ہے جو زیادہ بلند آہنگ ہوا اور پھر ایک ایک زبان میں کئی کئی واعظ درس دیتے ہیں۔ اس لیے واعظ کی اثر انگیزی و دل نشینی بھی حلقہ کے بڑھانے میں اثر انداز ہوتی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ان حلقوں میں اپنا بڑا نام تھا طالب علمی کی شوخی و بے باکی اور فطری بلند آوازی ہمیشہ حلقہ درس کو نمایاں تر رکھتی اور جب ان حلقوں میں عربی تقاریر کا سلسلہ شروع کیا تو عجمیت کے وصف نے انہیں نمایاں ترین بنا دیا اور زندگی کے ان تین حسین دنوں کو فراموش نہیں کر سکتا جن میں انہی حلقوں نے رنگ بھرا اور دلکشی پیدا کی۔

ایک تو تب جب میں منیٰ کی مسجد "خیف" میں احرام باندھے مسائل حج پر اردو میں خطاب کر رہا تھا۔ دوران خطاب ہی ایک پاکستانی عالم نے ایک فقہی مسئلہ پر اعتراض کرتے ہوئے مسلک امام ابو حنیفہؒ بیان کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے جواباً حدیث پیش کی۔ بات بڑھ گئی۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اکثر عرب تھے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے عربی میں جواب دیا اور بات چل نکلی اور شاید وہ زندگی کی حسین ترین تقریروں میں سے ایک تھی کہ جب میں نے خطاب ختم کیا تو تقریباً تین چار ہزار عرب میرے گرد و پیش ہجوم کیے کھڑے تھے۔ اور میں بے اختیار جھک گیا کہ میرے استاد اور عالم اسلام کے مایہ ناز مفسر شیخ امین شنقیطی میری طرف بڑھ رہے تھے۔ آتے ہی ماتھے پر بوسہ دیا' کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمانے لگے۔

"تم اتنے بڑے خطیب ہو ہمیں علم ہی نہ تھا"

اور یہ تب کی بات ہے جب عرب گئے ہوئے مجھے ابھی تین ماہ بھی نہ گزرے تھے

اور دوسری مرتبہ جب کہ مسجد نبوی کے باب السعود میں نماز مغرب کے بعد حسب معمول عربی میں تقریر کے لیے کھڑا ہوا' آیات جہاد تلاوت کیں۔ فلسطین'

کشمیر، قبرص اور اریٹیریا کے پس منظر میں اپنے ماضی کو آواز دی۔ بھیڑ بڑھتی اور آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ سامنے شہنشاہ دو عالمؐ اپنے دو سالاروں سمیت استراحت فرما۔ پڑوس میں ہی بائیں طرف جنت البقیع میں سلطنت روم و یونان کو روندنے والے اور ایران، توران کو مسلنے والے محو خواب پیش منظر میں بنو قریظہ و بنو نضیر کی اولاد! دھمکیاں، سسکیاں، آہوں اور کراہوں میں بدل گئیں۔ ایک ماتم بپا ہو گیا۔ پورا حرم الڈ آیا۔ اذان عشاء نے سلسلہ تقریر منقطع کرنے پر مجبور کر دیا۔ نماز کھڑی ہو گئی، لیکن میرے یمین و یسار سسکیاں گونجتی رہیں، ادھر سلام پھری ادھر لوگ پل پڑے عربوں کے ہاں اظہار محبت کے لیے ماتھے کو چومتے اور ناک پر بوسے دیتے ہیں۔ آدھ گھنٹے تک نشانہ ستم بنا رہا۔ کچھ بھیڑ چھٹی تو ایک انتہائی خوبصورت اور وجیہ عرب چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی رکھے دو جوانوں کے سہارے آگے بڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ایک حصہ جسم پر فالج کا اثر ہے۔ اس نے آتے ہی میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پوچھا۔

کہاں سے ہو؟

میں نے جواب دیا...... پاکستان

پاکستان سے! انہوں نے حیرت و استعجاب سے دھرایا!

جی ہاں۔ میں نے جواب دیا۔

مجھے اپنے سینے سے بھینچتے ہوئے بولے۔

"پاکستانی ایسے ہی باکمال ہوتے ہیں۔ جوان! لوگ مجھے کہتے ہیں انا احطب من فی العرب و لکن انا اقول انت احطب منی کہ میں عالم عرب کا سب سے بڑا خطیب ہوں لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی بڑے خطیب ہو۔"

اب تک میں ہجوم کی وجہ سے پوری طرح ان کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تھا۔ ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا، میں نے استفہامیہ نظروں سے انہیں سہارا دینے والے

جوانوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک میری طرف جھکا اور کہنے لگا۔

آپ انہیں نہیں جانتے؟

نہیں' میں نے جواب دیا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔

ڈاکٹر سباعی؟ اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔

ڈاکٹر سباعی عالم عرب کا نامور سپوت' دمشق یونیورسٹی کا سابق وائس چانسلر' شریعت کالج کا موسس۔ شام کا سابق وزیر قانون' بے شمار کتابوں کا مصنف " حضارۃ السلام" کا ایڈیٹر' بین الاقوامی شخصیت اور اسلام کا مایہ ناز فرزند میں جھکتا چلا گیا۔

"ڈاکٹر صاحب! مجھے عمر بھر اس پر فخر رہے گا کہ آپ ایسی گرامی منزلت ہستی نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور میری تقریر کو پسند کیا' ایک عجمی اور طالب علم کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ خطیب عرب اور ادیب عصر اس کے خطاب کو سراہے۔"

"حوصلہ افزائی کی بات نہیں واقعتہ تمہارا لب و لہجہ اور زبان و بیان پر قدرت ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا احساس نہیں ہونے دیتے کہ تم عربی نہیں عجمی ہو۔ میں نے ابتداء میں تمہیں مصری خیال کیا۔ پھر شامی جانا لیکن تمہارے خدوخال اور ناک نقشہ سے ہندوستانیت کا شبہ ہوا۔"

میں دیر تک ان کا اور ان کی قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا رہا۔ باتوں باتوں میں انہیں یہ بھی علم ہو گیا کہ ان کے پرچے "حضارۃ الاسلام" میں جس کے چھپے ہوئے ایک ادبی مضمون "لیلۃ مع المتنبی" نے دھوم مچا رکھی ہے وہ میں ہی ہوں تو انہوں نے اور زیادہ مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا۔

"میں اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ "لیلۃ مع المتنبی" لکھنے والا اتنا کم عمر ہو

گا"

میں نے ان کی فرود گاہ کا پتہ معلوم کر کے انہیں الوداع کہی' تو پیچھے سے ایک سابق دوست نے کہ حالیہ سیاست نے جن کے درمیان اور ہمارے درمیان اونچی دیواریں کھڑی کر دی ہیں' کندھے کو پکڑ لیا تپاک سے ملے' تین دیگر ساتھیوں سے تعارف کروایا۔ معلوم ہوا کہ حج وفد میں آئے ہیں۔ تقریر کی بے حد تعریف کی اور اصرار کیا کہ اس خوشی میں کھانا ان کے ساتھ کھاؤں۔ ان کے ایک دوسرے ساتھی نے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی نے ان کو خاصا بدنام کیا زور دیا کہ۔

"پاکستان آؤں تو ان کے ادارہ میں چلا آؤں۔"

اور ان یادگار دنوں میں سے تیسرا دن وہ تھا جب قدس کی آبرو لٹ گئی۔ صحرائے سینا میں عرب پٹ گئے اور جولان کی پہاڑیوں میں صلاح الدین ایوبی کی فتح یابیوں کا بدلہ چکا دیا گیا۔ شرم الشیخ اور آبنائے تیراں پہ یہودی قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی اور اس روز پہلی مرتبہ حرم نبوی کے مینار روشنی کے چراغوں سے محروم رہے۔ بتیاں گل کر دی گئیں اور اندھیرے میں نماز مغرب عشاء اور فجر ادا کی گئی۔ اللہ! یہ دن بھی آنا تھا۔ میرے دل سے ہوک نکلی اور میں نماز فجر کے بعد روضہ اطہر کے پڑوس میں دل کے داغ نمایاں کرنے لگا۔

"کبھی دنیا مدینہ سے آنے والے قافلوں کے قدموں کی چاپ سنا کرتی تھی اور آج ہم مدینہ کے راستوں پر یہودیوں کی یلغار کی خبریں سن رہے ہیں۔ تب ہم اسلام کے صحیح معنوں میں علمبردار اور گنبد خضراء کے مکین کے حقیقتاً" پیروکار تھے اور آج اسلام کو ہم نے چھوڑ دیا اور رحمت و نصرت رب ہم سے منہ موڑ گئی اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ گریباں پھٹ گئے۔ دامن چاک ہو گئے اور حرم نبوی الجہاد الجہاد" کے نعروں سے گونجنے لگا۔

اور ادھر میں یونیورسٹی پہنچا ادھر سعودی سی آئی ڈی کا نمائندہ حکم سرکاری لیے

آ گیا کہ اس پاکستانی طالب علم کو آئندہ حرم نبوی یا کسی دوسرے مقام پر جنگ کے موضوع پر تقریر کی اجازت نہیں جو جذبات سے کھیلتا' شعلے اگلتا اور آگ برساتا ہے۔

لیکن نہ جانے اب کے برس کیا ہوا۔ احباب تقاضے اور دوست مجبور کرتے رہے لیکن تقریر کو دل ہی نہ چاہا نہ عربی میں نہ اردو میں' ایک مکی دوست کہنے لگے۔

"صاحب! تب تو دن میں تین تین مرتبہ بولا کرتے تھے اب پورے عرصہ قیام میں ایک مرتبہ بھی نہیں بول رہے۔ ماجرا کیا ہے؟؟"

مجھے خود معلوم نہیں' میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا' ان حلقات درس میں پھرتے پھراتے دن چڑھ آیا۔ نماز چاشت ادا کی اور قیام گاہ لوٹ آئے کہ کچھ سولیں تو پھر مکہ مکرمہ کو دیکھنے کے لیے نکلیں گے اور رابطہ کے صدر دفتر بھی چلیں گے۔

یکم فروری سوموار کو ہم دن چڑھے تک سوتے رہے اور جب بیدار ہوئے تو سورج اندھیروں کے لشکروں کو پسپا کر کے پوری آب و تاب سے بیچ میدان کھڑا مسکرا رہا تھا' ہم نے جلدی سے غسل کیا اور اس شہر مقدس کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے جس نے اس در یتیم کو گودیوں کھلایا تھا جو بعد میں دانائے سبل ختم رسل اور مولائے کل' کہلایا اور اللہ نے اسے شہرت ناموری اور تقدس دیا اور اس کی بڑائی کی قسمیں کھائیں (اور اپنی) آخری دستاویز میں اسے منبع ہدایات منزل برکات اور مہبط انوار و تجلیات قرار دے کر قیامت تک کے لیے اس کے شرف اور اس کی بزرگی پر مہر ثبت کر دی۔

یہی وجہ ہے کہ مکہ عام شہروں ایسا ہوتے ہوئے بھی عام شہروں ایسا دکھائی نہیں دیتا اس کی گلیاں' اس کے کوچے' اس کے بازار' اس کے چوک' اس کے در اور اس کی دیواریں اسی طرح کی ہیں جس طرح مشرق کے دیگر شہروں' تونگر اور مال

دار شہروں کی ہوتی ہیں لیکن ان کے اندر سے ہویدا رعنائیاں اور زیبائیاں مشرق و مغرب کے کسی اور شہر میں کہاں؟ اور پھر ان کی تابانیاں اور فراوانیاں کہ سمائے نہ بنے اور سمیٹے نہ سمٹیں' اس کی سنگیلی زمین اور پتھریلی دھرتی میں حسن لہریں لیتا اور خوبصورتی موجیں مارتی ہے اور اس کے ریگزاروں میں وہ دل کشی ہے کہ لبنان' ایران کے سبزہ زاروں اور کشمیر و سویٹزرلینڈ کے مرغزاروں میں نہ ہوا اور اس کی اترائیوں اور چڑھائیوں میں وہ سحر انگیزیاں ہیں کہ روم و سپین کی دل آویزیاں ان پر قربان۔

اسی بستی پہ بھی وہی فلک نیلی فام سایہ فگن ہے جو شمال سے جنوب اور شرق سے غرب تک کی تمام آبادیوں پہ سایہ کیے ہوئے ہے' لیکن جو رنگ و روپ اس نے یہاں دھارا ہے وہ شاید نہیں' بلکہ یقیناً" کائنات میں کسی اور جگہ اختیار نہیں کیا۔

بلد امین کی فضا جادو بھری فضا جس کی تلخیاں بھی سرور انگیز اور ترشیاں بھی روح افزاء اور جب کبھی ان میں بادل گھر گھر آئیں تو جی جان سے نثار کرنے کو دل چاہے اور قطعہ ہائے ابر میں رحمت' دیکھتی آنکھوں تیرتی نظر آئے.....

ایک سیل نور ہے جو اس بستی مبارک میں اڈ ہوا نظر آتا ہے اور ایک طوفان نکہت و بو ہے جو اس شہر خوبرو کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ایک شہر یکتا جو بے گل و بلبل' گل کدہ و بلبلستان اور بے آب و گیاہ' حیات کدہ چمنستان بنا ہوا ہے۔

کہکشاں کی رنگینیاں پڑھنے میں ضرور آئی تھیں' دیکھنے کا اتفاق یہیں ہوا اور آسمان پہ زمین پہ.....

آبشاروں کے ترنم کی داستانیں بھی سنی تھیں لیکن چاہ زمزم کے جھرنوں سے گرتے ہوئے پانی نے اسے متشکل اور متجسم کر دیا۔

کشت ہائے زعفران نے دنیا کو والہ و شیدا بنا رکھا ہے' لیکن پڑوس کعبہ بچھی ہوئی ریت کے جگمگاتے ہوئے ذرے زعفران کے کھیتوں و ٹیلوں کو بھی شرماتے ہیں۔

ہمالہ اور نیل کی وادیاں دلوں کو بہلانے اور لبھانے میں مشہور ہیں لیکن وادی بطحا قلب و نظر اسیر اور ہوش و خرد تسخیر کرتی ہے۔ سرزمین بلد حرام حقیقتہً سرزمین ہے کہ اس کے کانٹوں' ببول کے درختوں اور خود رو جھاڑیوں کو بھی وہ احترام اور حرمت حاصل ہے کہ کسی اور خطہ ارض کے پھولوں' سرو صنوبر کے درختوں اور پھل دار پودوں کو بھی میسر و مقدر نہیں' کہ اس کے باپ خلیل اللہ نے اسے محترم بنایا اور اس کے بیٹے رسول اللہ ﷺ نے محتشم کر دیا اور فرمایا کہ میرے بابا کا شہر ہی صاحب حرمت نہیں اس کے کانٹے بھی اسی طرح حرمت و شرف کے مالک ہیں کہ انہیں اکھاڑا جا سکتا ہے اور نہ روندا..... کیونکہ خالق کون و مکان کو پوری کائنات میں اس سے محبوب تر اور کوئی مقام نہیں۔

رنگ و بو اور نکہت و نور کے اس مولود و منشا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو دامن دل کو نہ کھینچتا ہو اور جس سے "جا اینجا است" کی صدا نہ آتی ہو۔

اس کے چپہ چپہ پہ قرن ہا قرن کی تاریخ کے نقوش ثبت ہیں' تب کے بھی جبکہ ممتا سے لبریز ایک ماں سلگتی ہوئی دھرتی پہ اپنے معصوم نورستہ پھول اور نوشگفتہ غنچے کو اپنے سینے سے لپٹائے اسے باد سموم کے زہریلے تیروں سے بچانے کے لیے سرگرداں تھی' تن تنہا' اکیلی' بے یار و مددگار' اور پھر پھول کی پتیاں زرد ہونے لگیں؟ غنچہ بن کھلے مرجھانے لگا' ممتا بے چین ہو گئی' آخر بہار کا عطیہ اتنی جلدی خزاں کی زد میں' براہیم کی نشانی' خلیل اللہ کا فرزند' ہاجرہ دوڑیں' نگاہیں آسمان کی طرف جمالیں' لبوں پہ آہ' لیکن دور دور تک نہ پانی ہے نہ سایہ' واپس ہوئیں بچہ مچلا' ماں تڑپ اٹھی' بچے نے سسکاری بھری' ماں کی کراہیں نکل گئیں۔

بارالہا! میں تیرے حکم پہ راضی لیکن اپنے معصوم کو بلکتا ہوا' اور تڑپتا ہوا دیکھنا کس ماں کے بس میں ہے۔

بچے نے ایڑیاں رگڑیں اور ماں پھر دوڑ پڑی.....

میرے بچے ہاجرہ کے بچے پہ نثار اور میری ماں اسماعیل کی ماں پہ قربان کہ ان کے تڑپنے اور دوڑنے نے ریگزار مکہ کو گلزار عالم میں تبدیل کر دیا۔

اور پھر اسی بستی مبارک نے وہ دن بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا جب اس کے گلستاں کا سب سے خوبصورت پھول رونق کائنات اور فخر موجودات بنکر اس میں کھلا' اور خلیل اللہ کے فرزند' ذبیح اللہ کی جلاوطنی کی سرزمین اس کے پوتے رسول اللہ کا مولدو مسکن ٹھہری کہ بچپنے سے لے کہ جوانی تک نبوت پر فائز ہونے سے لے کر جلا وطنی تک یہاں کے سنگریزے ان کے قدمہائے مبارکہ کی لمس سے جواہر ریزے' خزف پارے اور گہرپارے بنتے رہے۔

سب سے پہلے ہم نے بیت عتیق کی مشرقی سمت سے ابتداء کی' گاڑی چھوڑ دی اور پیدل صفاء مروہ سے ہوتے ہوئے سوق قماش (کپڑے کا بازار) کی چڑھائی دار شارع پر چڑھنے لگے سوق قماش کی ابتداء صفا مروہ (کہ اب داخل حرم ہے اور کعبہ سے مشرقی و شمالی جانب واقع ہے) کی انتہا سے ہوتی ہے' اور یہ صفا سے شروع ہوتا' شمال مشرق میں بل کھاتا اور آڑے ترچھے زاویے بناتا اور منیٰ کی جانب جانے والی شاہراہ میں جاگرتا ہے۔

مکہ مکرمہ کے جتنے بازار ہیں ان میں یہ حیرت انگیز چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ دور دور بالکل اونچے اونچے سیدھے سیدھے تنے تنے اور ہموار چلے جاتے ہیں' لیکن جوں ہی باب کعبہ پر ان کی نظر پڑتی ہے ان کی تناؤ میں جھکاؤ اور قیام میں رکوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور کعبہ تک پہنچتے پہنچتے ان کی ڈھلائیں ڈھلوانوں

کا روپ بھرے چوکھٹ کعبہ پر اپنی جبیں رکھ اور گھٹنے ٹیک دیتی ہیں ~~اور نظر آتا ہے~~ کہ جمادات بھی عظمت رب کو سلام کرتے اور بارگاہ ناز میں ہدیہ نیاز پیش کرتے ہیں کہ منزل عشق میں بلندیاں نہیں بلکہ پستیاں، اور فراز نہیں بلکہ نشیب کارگر ہوتے اور کامران ٹھہرتے ہیں۔

میں نے بیت رب سے نکلتے اور اس کے گردو پیش میں پھیلے ہوئے بازاروں کی اونچائیوں میں اونچا ہوتے ہوئے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ حاضری اور حضوری کے گرانمایہ لمحات نے مجھے بالا کر دیا اور ان ہی بازاروں کی اترائیوں سے کعبہ کی طرف اترتے ہوئے ہمیشہ شعور نے خبردار کیا کہ بڑے دربار میں جا رہے ہو، نیچے اور پست ہو کے چلو، کہ نیچے جاؤ اور اونچے آؤ، جاؤ تو سر اٹھا کے چلو اور آؤ تو سر جھکا کے چلو۔

سوق قماش کپڑے کا سب سے بڑا مرکز ہے قسم قسم اور دیس دیس کا کپڑا، چین کا جاپان کا، امریکہ کا انگلستان کا جرمنی، فرانس اور حتی کہ پاکستان کا، غرض دنیا کے ہر ملک کا کپڑا اور ہر نوع کا کپڑا یہاں دستیاب ہے، چھوٹی سے لے کر بڑی دوکان اور اونچی سے لے کر نیچی اور سستی سے لے کر مہنگی تک ہر قسم کی دوکان اس بازار میں موجود ہے اتنی سستی کہ سعودی عرب ایسے ملک میں اس کے سستا پن پہ حیرت ہو، اور اتنی مہنگی کہ ایک پاکستانی اپنے کانوں پہ یقین ہی نہ کرے۔

ایام حج میں اس دو فرلانگ کے بازار کو پار کرنا ایام جنگ میں درہ دانیال یا سویز میں سے گزرنے سے کم نہیں، یہاں کھوے سے کھوا نہیں بلکہ جسم سے جسم چھلتے ہیں، ایک ہجوم ہے جو دکانوں پہ پلا پڑا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کپڑا بکتا نہیں بلکہ بنتا ہے، خصوصاً" دن ڈھلے تو یہاں ڈگ بھرنا اتنا ہی دشوار ہے جتنا انار کلی میں سرشام گاڑی دوڑانا۔

لیکن اس پورے ہجوم میں جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، بوڑھے

بھی تھے اور جوان بھی' بچے بھی تھے اور بڑے بھی..... کوئی منچلا ہے نہ کوئی دل پھینک' نہ کہیں اٹھکیلیاں ہیں نہ ٹھٹھے' نہ نظربازی' نہ فقرہ سازی' عورتیں گزرتی ہیں تو نوجوان ان کی طرف لپکتے نہیں بلکہ اس طرح ہٹتے اور بچتے ہیں جیسے کوئی تیر سے بچے اور تفنگ سے دوڑے۔

عورتیں اور مردیوں الگ الگ ہیں جیسے ان کے درمیان آہنی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں' دیواریں غیر مرئی اور مضبوط دیواریں' وہ دیواریں جنہیں حکومتیں اور قانون کھڑے نہیں کر سکتے' جنہیں سرور کائنات' کی مقرر کردہ تعزیروں نے کھڑا کیا ہے کس کی مجال کہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھ سکے' آوازہ تو بڑی بات'

اور مجھے یاد ہے کہ میں چار برس طیبہ میں رہا' پورے چار برس' اس کی گلیوں میں گھوما' اس کے بازار دیکھے' اس کے کوچوں میں پھرا' چھٹکتی ہوئی چاندنی میں بھی' اور گھپ اندھیری راتوں میں بھی۔

میں نے اس کے بازاروں کی رونق دیکھی' بھیڑ دیکھی' رجب کی شاموں کا حسن دیکھا اور رمضان کی راتوں کی دل کشی دیکھی' اور پھر حج کے دنوں کا ہجوم بھی چار سال تک دیکھا کئے' اور ان میں مردوں کے گروہ بھی دیکھے اور عورتوں کی ڈاریں بھی نظر سے گزریں' لیکن ان پورے چار برسوں میں کبھی بھی نہ تو کسی غنچہ کے چٹخنے اور نہ کسی کلی کے مسلنے کی آواز سنی۔ کسی کی عصمت کی آہ و فغاں تو بڑی بات کسی کے دامن کا گلہ تک سننے میں نہیں آیا۔ قانون محمدؐ ان کی عصمتوں کا نگران اور ان کی عزتوں کا نگہبان ہے۔

سعودی عرب میں یہ چیز آج بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی جوان و خوبرو دوشیزہ زیورات سے لدی پھندی تن تنہا ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک دن کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں بھی سفر کر جائے تو کسی کو

اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرات نہیں ہو گی' اور نہ ہی ہوتی ہے' اور یہ تحفظ کسی حکومت کی رہین منت نہیں ہے بلکہ اس دین کی وجہ سے ہے جو رب العالمین نے رحمتہ العالمین پر اپنے بندوں کی صلاح و فلاح کے لیے نازل کیا اور جس سے روگردانی کی بناء پر دنیائے اسلام آج کوئے ضلالت و مذلت میں حیران و سرگرداں ہے۔

سوق قماش میں تھوڑا سا آگے چل کر اس کی جنوبی سمت پہلے ایک گلی آتی ہے' پھر دوسری' پھر تیسری اور آخر میں چوتھی' کسی زمانہ میں یہ محلہ رہا ہو گا لیکن اب یہ بھی کپڑے کی بہت بڑی مارکیٹ بن چکی ہے' اس کے ڈانڈے بھی اسی منیٰ جانے والی شاہراہ سے جا ملتے ہیں' جہاں زیورات جیولری' گھڑیوں اور سامان آرائش و آسائش کی بہت بڑی بڑی دکانیں ہیں' ہمارے مال روڈ کراچی کے صدر بازار سے بھی بڑی دکانیں لاکھوں کا سامان اندر دھرے چہرے پہ سکون اور شان استغنا لیے' یہاں کوئی دکان دار گاہک کی طرف نہیں لپکتا بلکہ خریدار دکانوں کی طرف جھپٹتے ہیں۔

پورے عرب میں یہ چیز دیکھی کہ ہمارے ہاں کہ برعکس وہاں گاہک سے کوئی چھینا جھپٹی نہیں ہوتی' مشتری آتا ہے تو مالک کے چہرے پہ رونق نہیں آتی' جاتا ہے تو تاریکی نہیں چھاتی' قلق وہ نہیں جانتے ناز وہ نہیں مانتے' ایک چھابڑی فروش بھی گاہک سے اس انداز میں بات کرتا ہے گویا بیچنے والا نہیں خریدنے والا ہے' ذرا منہ سے نامناسب بات نکلی فوراً لفظ قدام (آگے جاؤ) لبوں سے ابل پڑا' قصاب کی دوکان پر جائیے اس نے پورا بکرا کھال اتار کر الٹا لٹکا رکھا ہے' نیچے سے کاٹتا ہوا اوپر تک آئے گا' آپ کہیں گردن نہیں سینہ چاہیے' یا بازو نہیں' ران کا خواہاں ہوں تو ایک ہی جواب ملے گا یااللہ امش الی غیری (چلو بھئی کوئی اور دکان دیکھو) یہاں تو وہیں سے ملے گا جہاں تک پہلے بک چکا ہے وگرنہ تب تک انتظار کرو جب تک

خرید وہاں تلک نہیں جا پہنچتی۔ آپ لاکھ اصرار کریں وہاں ایک انکار۔

اور یہ بات صرف موسم گل ہی کی نہیں خزاں میں بھی وہاں کا یہی چلن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں غنی ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ استغنا بھی ان کی طبیعت کا جزو ہے' وہ اگر کماتے خوب ہیں تو لٹاتے بھی خوب ہیں۔

ہم دھیرے دھیرے چلتے ہوئے سوق قماش کو طے کر ہی آئے بڑی سڑک پر آ کر ہم پھر جنوب کی طرف بڑھ گئے' کچھ آگے چل کر جنوب مغرب کی طرف جا کر یہ سڑک دو حصوں بٹ جاتی ہے ایک زیریں اور ایک بالائی دونوں کا رخ حرم کی طرف ہے' زیریں باب صفا کے پاس جا کر ختم ہو جاتی ہے اور بالائی باب السعود کے سامنے چوراہے سے ہوتے ہوئے آگے نکل جاتی ہے' اسی سڑک کے کنارے حرم سے تقریباً" سوا سو گز کے فاصلے پر بروایت وہ مکان واقع ہے جہاں آمنہ کے گھر اس در یتیم و گوہر یکتا نے جنم لیا تھا جس کی تابانیوں اور ضوفشانیوں نے ایک عالم منور کر دیا' اور اسی گھر میں سے وہ ابر رحمت اٹھا تھا کہ مدتوں کے کھلائے اور مرجھائے ہوئے پھول مہکنے لگے' لے دھکنے لگے' پودے لہکنے لگے' کلیاں مسکرا اٹھیں شاخیں لہلہا اٹھیں۔

آج کل اس مقام پر ایک لائبریری بنی ہوئی ہے جہاں صبح و شام لوگ آتے اور کتب و رسائل کا مطالعہ کر کے چلے جاتے ہیں' اسی مکان کے پہلو سے ایک گلی نکلتی ہے جو سیدھی شعب ابی طالب کو جاتی ہے' یہ وہی مقام ہے جہاں سرور کائنات علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تین سال تک محاصرے کے عالم میں قیام فرمایا تھا۔

یہاں سے ہو کر ہم چکر لگاتے ہوئے پھر باب السعود کے سامنے آ گئے باب السعود بیت الحرام سے جنوب کی سمت واقع ہے پشت پر محلہ جیاد تھا' پاکستانی حاجیوں کا سب سے بڑا نشیمن دائیں ہاتھ جبل ابی قبیس بائیں محلہ شامیہ اور شارع مکہ'

جیاد ہمارا دیکھا بھالا تھا کہ ہم بھی وہیں فروکش تھے' جبل ابی قبیس پر چڑھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اس لیے شامیہ کی طرف ہی چل دیئے' عمارت حرم کے ساتھ ہی ساتھ بل کھاتی اور ہالہ بناتی ہوئی سڑک سے ہو کر اب ہم حرم کی غربی جانب پہنچ چکے تھے' شامیہ کی ابتداء ایک خوبصورت نو تعمیر شدہ ہوٹل' فندق حرا سے ہوتی ہے جو دس منزلہ عمارت پر مشتمل ہے آگے چل کر کپڑے کی دکانیں ہیں لیکن ان دکانوں میں صرف گرم کپڑا فروخت ہوتا ہے پھر اس کے بعد ایک اور کپڑے کی مارکیٹ ہے کچھ دوسری دکانیں ہیں' پھلوں کی اشیاء خوردنی' بجلی کے سازو سامان اسباب تعیش اور اسی انواع کی دوسری دکانیں!....

ادھر سے گھومتے ہوئے ہم مروہ کی پشت اور کعبۃ اللہ کی شمالی جانب آن پہنچے' یہاں حال ہی میں ایک بہت بڑی خوبصورت اور جدید طرز کی مارکیٹ بنائی گئی ہے یہ مارکیٹ پہاڑی سلسلے پر واقع ہے اور اگر مبالغہ نہ ہو تو شاید دنیا کی کسی نوع کا کپڑا ہو گا جو یہاں سے نہ مل سکے' بنارسی ساڑھیوں سے لے کر چاپانا کی شنگھائی تک' اور ڈھاکے ململ سے لے کر انگلستان کی گبرڈزین تک' آپ اگر نوٹوں کی بوریاں بھر کر اور تجوریاں توڑ کر بھی یہاں آئیں تو کپڑے کی اقسام ختم نہ ہو سکیں' امیر پاکستانی حجاج کا سب سے بڑا ہجوم یہیں ہوتا ہے ابھی ہم اس مارکیٹ میں گھوم پھر ہی رہے تھے کہ حرم کے منارے بولنے لگے اللہ اکبر' اللہ اکبر اور ابھی موذن نے حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح کے بول ختم نہیں کئے تھے کہ مارکیٹ خالی ہونے لگی اور آخر کلمات تک پہنچتے پہنچتے دروازے بند کئے بنا دکانیں بند ہونے لگیں۔

میرے ساتھی ششدر یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ دکانیں مال و منال سے بھری پڑی ہیں' بیس پچیس لاکھ کا کپڑا اندر پڑا ہوا ہے اور مالک صرف جالی کا ایک معمولی باریک کپڑا دروازے پر تان کر کھلی دکان چھوڑے اور بغیر کسی کو حفاظت کے لیے مقرر کئے مسجد کی طرف بھاگ رہا ہے۔ ملازم بھی ساتھ ہیں کوئی رکھوالا نہیں' کوئی

چوکیدار نہیں، گلے میں دن بھر کی بکری بھی پڑی ہوئی ہے" تب میں نے ان کو کہا کہ یہ تو کپڑا ٹھہرا ہم نے سونے اور جواہرات کی دو کانوں کو بھی اس طرح بھرا ہوا اور پڑا ہوا پایا ہے۔ اور پھر محافظت علی الصلوۃ کا یہ منظر بھی صرف سعودی عرب ہی کا خاصہ ہے، نہ جانے پاکستان میں بھی یہ نظر نواز اور دلربا منظر کبھی دیکھنے میں آئے گا؟

جلدی جلدی قدم اٹھا کے ہم حرم میں پہنچے وضو کیا اور وضو گاہ کے قریب ہی کنار حرم نماز ادا کی کہ آج موجیں ساحل سے باہر اچھل چکی تھیں اور پھر مشتاقان کعبہ کے دمکتے ہوئے چہرے اور چمکتی ہوئی جبینیں دیکھتے باہر آ گئے، ایک لمبا چکر لگایا اور باب السعود کے قریب کھڑی اپنی گاڑی پہ سوار ہوئے رابطہ عالم اسلامی کے دفتر کی طرف چل دیئے۔

منیٰ کی طرف جانے والی شاہراہ بلدۂ حرام کے قبرستان "جنت المعلی" کے پڑوس سے دو طرفہ ہو جاتی ہے کہ درمیان میں تین چار فٹ چوڑی پٹی بنا کر اس کے دونوں طرف جنگلہ لگا کر درمیان میں خوبصورت پودے اور درخت اگا دیئے گئے ہیں جس سے سڑک کی خوبصورتی اور شہر کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔

شہر مقدس کی تمام بیرونی سڑکوں کا یہی عالم ہے کہ دوہری ہیں اور درمیان میں سبزہ زار اور ہر چوک میں فوارہ اور گرد اگرد خوش رو اور خوش رنگ شگوفے غنچے اور پھول جو ہاجرہ کی بستی کی دلکشی اور دل ربائی میں اضافہ کرتے اور اس کی رعنائی اور زیبائی کو بڑھاتے ہیں۔

منیٰ کے راستے اور معابدہ سے پہلے "جنت المعلی" کے ورے ایک چھوٹے سی مسجد ہے جسے "مسجد جن" کہا جاتا ہے، مشہور ہے کہ اسی مقام پر جنوں نے سرور کائنات ﷺ سے کلام پاک سنا اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے اسے قبول کیا تھا ان کے ایمان لانے اور قرآن سننے کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ احقاف میں آیا

ہے۔

مسجد حرام سے دور رہنے والے اور قرب و جوار کے کچھ کاروباری اور گرد و پیش کے کچھ ناتواں اور معذور افراد اسی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں لیکن اکثریت حرم میں ہی نماز ادا کرتی ہے کہ چند قدم کی دوری پر ایک لاکھ نماز کا ثواب کون ترک کرنے پر آمادہ ہو۔

شارع منیٰ پر ہی بیت العتیق سے آتے ہوئے بائیں طرف اور جاتے ہوئے دائیں طرف ایک ٹیلے کے پہلو میں "جنت المعلیٰ" آباد ہے جسے مسفلہ کی طرف جانے والی سڑک نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے شارع منیٰ سے جب مسفلہ کی گھاٹی کی طرف چلیں تو تھوڑی دور دائیں اور بائیں متوازی دو بڑے گیٹ آتے ہیں جن پر ہمہ وقت چند سپاہی پہرا دیتے ہیں کہ اوقات مقررہ کے علاوہ کوئی اندر نہ جا سکے۔

دائیں جانب کا قطعہ بہت بڑا ہے اور یہی قدیم قبرستان ہے۔ اسی کے ایک گوشہ میں سرور عالمؐ کی پہلی اہلیہ اور دنیا کی پہلی مومنہ و مسلمہ' رقیہؓ' زینبؓ' ام کلثومؓ اور فاطمہؓ کی اماں' ام امومنین خدیجہ الکبریٰؓ استراحت فرما ہیں اور بروایت اسی کے ایک پہلو میں آپؐ کے لخت ہائے جگر طیبؓ' طاہرؓ اور قاسمؓ محو خواب ہیں۔

اور اوپر جا کر روایات اور حکایات کے مطابق ابوطالب عبدالمطلب اور عبدمناف وغیرہ کی قبریں ہیں۔ اور دوسری طرف دائیں جانب کے قطعہ میں شہ سوار مکہ عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہؓ اور تابعینؒ مدفون ہیں۔

سعودی عرب کے تمام قبرستانوں کی طرح یہ قبرستان بھی بالکل کچا ہے اور اس میں کوئی ایک قبر بھی پختہ اور چونا گچ نہیں' نہ تو کسی پر گنبد ہے اور نہ کسی پر لوح۔ اس لیے صحیح طور پر یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی قبر کس کی ہے اور کون سی کس کی نہیں۔

بہرحال یہاں آکر اس بات کا علم ہوتا ہے کہ جسم اور قبر کے فنا کے باوجود بھی کچھ لوگ ہمیشہ باقی رہتے ہیں کہ عشق ان کے کام اور نام کو ابد تک کے لیے جریدہ عالم پہ نقش کر دیتا ہے۔

گردش لیل و نہار اور طلوع و غروب شمس و قمر ام المومنین خدیجہ الکبریٰؓ کے نام کو کیسے مٹا سکتے ہیں کہ فضائے مکہ آج بھی ان کی آواز سے معمور و مسرور ہے لایخزیک اللہ ابدا (میرا آقا! میرے رب کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا کہ آپ یتیموں کے نگہدار' غریبوں کے غم خوار اور مظلوموں کے مددگار ہیں' اور عبداللہؓ بن زبیرؓ آج بھی صلیب پر چڑھے کہ رہے ہیں "ابھی اس خطیب کے منبر سے اترنے کا وقت نہیں آیا ہے" ان کے علاوہ دیگر کئی جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ کی قبریں ان ہی قطعات میں بکھری پڑی ہیں۔

دیر تک ہم اس عبرت کدے میں گھومتے رہے وہاں سے نکلے تو پھر اس بڑی سڑک پر ہو لیے جو معابدہ و منیٰ کو جاتی ہے۔ معابدہ اس خوبصورت محلے کا نام ہے جو منیٰ کے راستے میں حال ہی میں بنا ہے اس کی ساری عمارات نئی اور کوٹھیوں کی طرز پر ہیں اور لوگوں نے بڑی محنت اور کوشش سے اس پتھریلی دھرتی کے سینے پر مٹی کے ڈھیر کھڑے کر کے لانوں میں پودے اور روشوں پر پھول لگائے اور سجائے ہیں۔

معابدہ سے کچھ پہلے ہی موڑ پر ایک خوبصورت اور قدیم ترکی طرز کی لمبی چوڑی عمارت ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شاہی محل ہوا کرتا تھا لیکن آج کل اس کا ایک حصہ گورنر مکہ کے دفاتر اور دوسرا حصہ رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹریٹ پر مشتمل ہے ہم صدر دروازہ کے سامنے گاڑی سے نیچے اترے۔ ایک باوردی مسلح سپاہی نے ہماری گاڑی پر رابطہ کی پلیٹ دیکھتے ہی استقبالیہ انداز میں سلوٹ کیا اور ~~دیوانے سے~~ بائیں جانب اشارہ کر کے بتلایا کہ رابطہ کے دفاتر اس جانب ہیں۔ ہم

اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ڈیوڑھی سے آگے ایک چھوٹا سا صحن اور اس کے دائیں بائیں دو بڑے بڑے محراب دار دروازے ہیں ہم بائیں جانب بڑھتے چلے گئے کچھ ہی آگے ایک چوڑا چکلا کاریڈور تھا جس کے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے اور ان کے دروازوں پر تختیاں لگی ہوئی تھیں۔

اس کاریڈور میں قدم رکھتے ہی دائیں طرف کے پہلے کمرے پر مدیر الاستقبالات کی لوح نظر آئی جیسے ہی ہم اندر داخل ہوئے ایک میانہ قامت کا دبلا پتلا شخص عربی لباس زیب تن کئے سر پر عقال (رومال کے اوپر باندھنے والا کالے رنگ کا رسہ جو سعودی عرب کے سرکاری ملازمین پہنتے ہیں) باندھے تیزی سے ہماری جانب بڑھا خوش آمدید کہی اور سعودی دستور کے مطابق پہلے چائے اور پھر بن اور الائچی سے مرکب قہوے سے ہماری تواضع کی۔ اور اس کے بعد ہمیں رابطہ کے سیکرٹری جنرل کے نائب شیخ صالح القزاز سے متعارف کروایا۔

شیخ صالح القزاز سعودی عرب کے بڑے نامور لوگوں میں سے ہیں۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر توانہی کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اب حرم مکی کی تعمیر کے نگران اور انچارج بھی وہی ہیں۔ کچھ عرصہ وزیر بھی رہے ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی کے دفاتر میں ہم نے ان سے زیادہ خلیق' ملنسار اور متواضع اور کسی شخص کو نہیں پایا۔ ویسے تو سبھی لوگ اچھے ہیں مگر شیخ صالح انفرادی خصوصیات کے حامل ہیں۔ بھاری جسم' درمیانہ قد' مسکراتا ہوا چہرہ جس پر نقرئی داڑھی' ڈھیلا ڈھالا لباس' شرفاء عرب کی زندہ تصویر۔

بڑے تپاک سے ملے دیر تک خوش آمدید کے الفاظ دہراتے رہے۔ پاکستان اور پاکستان کے باسیوں کے متعلق انتہائی پیار اور محبت بھرے لہجے میں سوالات کئے پھر خود ہی کہنے لگے "اسلامیان پاکستان دنیا کے وہ بہترین مسلمان ہیں جن کی اسلام سے شیفتگی اور دین پر فریفتگی سے ہم سہارا پاتے اور عزت حاصل کرتے ہیں" ہم

نے ان اعلیٰ جذبات اور ان کی مہمان نوازی پر ان کا شکریہ ادا کیا اور رابطہ کی کارکردگی سے آگاہی چاہی انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے رابطہ کے یوم تاسیس سے لے کر اب تک کی مساعی کا مختصر تذکرہ کیا کہ کس طرح عالم اسلام کو ایک ہی مسلک میں منسلک کرنے اور ایک لڑی میں پرونے کے لیے اس ادارے کا قیام عمل میں آیا اور کس طرح اس نے اتحاد عالم اسلامی کے خواب کو شرمندہ تعبیر بنانے کے لیے اپنی سی جدوجہد کی اس سلسلہ میں انہوں نے رابطہ کی کارگزاری کے متعلق خاصا لٹریچر بھی فراہم کیا اور آئندہ کے منصوبوں پر بھی روشنی ڈالی۔ اس کے بعد خود ساتھ ہو کر رابطہ کے مختلف شعبے دکھلائے اور ان کی سربراہوں سے تعارف کروایا۔ وہیں پہ رابطہ عالم اسلامی کے ڈائریکٹر شیخ حسین سراج سے بھی ملاقات ہوئی جن سے کہ پہلے دن جدہ کے ایشیاء ہوٹل میں ملاقات ہو چکی تھی جبکہ وہ سیکرٹری جنرل کی طرف سے ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے آئے تھے یہاں سے اٹھ کر شعبہ تنظیمات اسلامی آئے وہیں پہ مولانا عاصم الحداد سے ملاقات ہوئی جو آج کل رابطہ میں ہی مترجم کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ شیخ عزت اس شعبے کے انچارج ہیں یہاں سے دیگر شعبوں کو دیکھتے ہوئے رابطہ کی عظیم الشان لائبریری میں آئے۔ تھوڑی سی مدت میں روپے پیسے کی فراوانی مقصود و مطلوب کے حصول کو آسان بنا دیتی ہے۔

یہاں لائبریری کو دیکھ چکے تو عمارت کی دوسری منزل پہ شعبہ صحافت دیکھنے چلے گئے وہیں اپنے دیرینہ کرم فرما اور مجلّہ الرابطہ کے مدیر اعلیٰ شیخ محمد سعید العامودی سے ملاقات ہوئی شیخ العامودی سعودی عرب کے بڑے اور سلجھے ہوئے صحافیوں میں سے ہیں کئی ایک رسائل و جرائد کے مدیر رہ چکے ہیں آج کل سعودی اوقاف کے ماہوار علمی و دینی مجلّے "الحج" اور رابطہ کے ماہنامہ "مجلّہ الرابطہ" کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

شیخ العامودی چونکہ میرے دیرینہ کرم فرما اور جاننے والے تھے اس لیے بڑی دیر تلک ان سے صحبت رہی۔ سیاسی مواضیع سے لے کر دینی اور ادبی ہر قسم کے امور پر گفتگو ہوتی رہی اور اس دوران عربی قہوے اور چائے کا دور مسلسل چلتا رہا کہ عرب میں ہر آدھ گھنٹے بعد چائے اور قہوہ کے فنجان کھنکتے رہتے ہیں۔

کافی وقت گزر چکا تھا اور میرے ساتھی بھی عربی سے نابلد ہونے کی بناء پر اس طویل صحبت سے کچھ اکتا چکے تھے اس لیے میں نے اجازت چاہی اور شعبہ صحافت کے نوجوان سیکرٹری شیخ محمد الحداد جو بڑے باصلاحیت نوجوان ہیں' کے ساتھ نیچے اتر آئے۔ نیچے شیخ صالح القزاز اور شیخ عبدالملک الصبان مدیر الاستقبال ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے رابطہ عالم اسلامی کے ہال میں ان تقاریر کا ایک مجموعہ جو وقتاً" فوقتاً" مختلف علماء اور زعماء رابطہ میں آکر کرتے رہے اور چند دیگر کتب تحفہ کے طور پر پیش کیں۔ میں نے اپنی کتاب "القادیانیہ" اور ترجمان الحدیث کے فائل انہیں پیش کئے' اور ایک دفعہ پھر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس اپنی فرود گاہ کو لوٹ آئے۔

ابھی نماز عصر ادا ہی کی تھی کہ پاکستان کے کچھ احباب ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ گوجرانوالہ کے دوست تھے اور کچھ لاہور کے۔ ان میں سے بیشتر لوگ ایسے تھے جنہیں میں تو نہ جانتا تھا لیکن جماعتی تعلق اور ملکی محبت کے جذبے سے میری آمد کی خبر سن کر تشریف لے آئے پاکستان کے نئے حالات پوچھتے رہے اور اس بات پر شکوہ کناں بھی کہ جب سے پاکستان کو چھوڑا ہے وطن عزیز کی کوئی مفصل خبر نہیں ملی۔ یہاں کے اخبارات عربی میں ہیں اور "زبان یار من ترکی و من ترکی نمیدانم" کے مصداق ہم ان سے کوئی استفادہ نہیں کرسکتے۔ انگریزی ہمیں آتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے' رہا اپنا سفارت خانہ تو اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے بلیٹن وہ شائع نہیں کرتا ملکی اخبارات وہاں نہیں آتے اور اگر آتے

ہیں تو دکھائی نہیں دیتے۔ سفارت خانے کے ملازمین ہیں وہ بے چارے خود کچھ نہیں جانتے دوسروں کو کیا بتلائیں۔ رہے آفیسر تو وہ آفیسر ہی ہیں چاہے ملک میں ہوں چاہے بیرون ملک وہ عام آدمی سے ملنا اور ان سے گفتگو کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف ہندوستانی سفارت خانہ پوری طرح بیدار اور سرگرم کار ہے کہ وہ نہ صرف اپنے حجاج کو ملکی خبریں بہم پہنچاتا بلکہ پوری دنیا کے حجاج میں پاکستان کے خلاف زہر بھی پھیلاتا ہے اور ہمارے ہاں نہ اس زہر کا تریاق ہے اور نہ اس کی پرواہ۔

ایک دوست تو باتیں کرتے کرتے کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئے میں نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تو وہ بھڑک اٹھے۔

"جناب آپ کیا جانیں کہ یہاں ہم نے کون کون سی انہونی باتیں سنیں اور وطن کے لیے کس کرب میں راتیں گزاریں ہیں کہ یہاں ہر روز خبر سننے میں آتی ہے کہ مشرقی پاکستان الگ ہو گیا ہے' مغربی پاکستان' ایران اور افغانستان کے ساتھ کنفڈریشن بنا رہا ہے..... پیپلز پارٹی بے گناہوں کو داروں پہ کھچوا رہی اور سولیوں پہ چڑھا رہی ہے۔ روس اور امریکہ مجیب اور چین بھٹو کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ غرض کوئی دن نہیں گزرتا کہ کسی بری خبر سے دو چار اور نئی پریشانی سے ہمکنار نہ ہونا پڑے۔ سفارت خانے سے رجوع کرتے ہیں تو وہاں سوائے لذت سکوت کے اور کچھ میسر ہی نہیں۔ مکہ مکرمہ کہ حجاج کا مسکن ہے اولاً" تو سفارت خانے کا کوئی افسر اس طرف کا رخ ہی نہیں کرتا اور اگر کوئی بھولا بھٹکا آ جاتا ہے تو سفارت خانے کی خبر دے کر چلا جاتا ہے اور وہ سب لوگ "معلوم نہیں" کی تفسیر بنے بیٹھے ہیں۔"

اب میں اپنے اس بھائی کو کیا بتلاتا کہ دوست! تم مہینے دو مہینے میں گھبرا گئے ہم نے پورے چار برس اس کرب میں گزارے ہیں کہ وطن کی کوئی خبر نہیں۔ اس

وطن کی جس نے ہمیں جنم دیا اور جس نے ہمیں گودوں کھلایا' جس کی خوشی پہ دل جھول جائے اور غمگینی پہ دل کی کلی بھی مرجھا کر رہ جاتی ہے۔

"اور میں ۶۵ کے دن کیسے بھلا سکتا ہوں جب کہ ہندو غنڈوں نے میرے دیس کی پوتر دھرتی کو اپنے ناپاک قدموں سے آلودہ کرنا چاہا تھا تب ہم دن بھر حرمین کی گلیوں اور کوچوں میں پاکستان کی امداد و معاونت کے لیے سرگرداں رہتے اور رات کی تاریکیوں میں اس کی فتح و ظفریابی کے لیے مسجد نبوی اور حرم مکی کی دہلیزوں پہ پیشانیاں رگڑا کرتے اور پھر ہر دوسری صبح ہندوستانی پروپیگنڈے سے ہمارے دل بیٹھ بیٹھ جاتے لیکن پاکستانی سفارت خانہ تو ان دنوں بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا۔"

اور پھر جب ایک دن ہم نے تنگ آ کر اس وقت کے پاکستانی سفیر کو جا جھنجھوڑا تو اس نے جواب دیا تھا۔

"بھائی! میرے پاس وسائل و ذرائع ہی نہیں۔ ایسے عالم میں' میں کر ہی کیا سکتا ہوں آپ کہیں تو فراہمی چندہ کے لیے آپ کے ساتھ ہر ہر جگہ جانے کو تیار رہوں۔"

اور ہمیں تو پورے مشرقِ وسطیٰ کا چکر لگانے کے بعد واقعۃً اس بات کا علم ہی نہیں ہو سکا کہ غیر ممالک میں ہمارے سفارت خانوں کے قیام کی غرض و غایت کیا ہے....؟

اگر تو اس سے مقصود چند لوگوں کو نوازنا اور انہیں مغل شہزادے بنا کر غیر ملکیوں کو دکھلانا ہے تو واقعی یہ مقصود پورا ہو رہا ہے اور اگر اس سے اس کے علاوہ بھی کچھ مطلوب ہے تو وہ مطلوب معدوم ہی ہے کہ ہم نے پتے کسی بھی سفارت خانے کو پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے نہیں پایا۔

اس سے بڑا غضب اور کیا ہو سکتا ہے کہ امسال حج کے ایام میں منیٰ میں ایک

سرے سے دوسرے سرے تک یہ خبر گردش کر گئی اور بجلی گرا گئی کہ۔

"پاکستان میں انقلاب آگیا ہے اور صدر جنرل یحییٰ خان کو علیحدہ کر کے انہیں گولی مار دی گئی ہے لیکن ہنوز یہ پتہ نہیں چل سکا کہ انقلاب کی پشت پر کون ہے۔"

اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ پاکستان کے عام حجاج میں سراسیمگی پھیل گئی اور لوگ منیٰ میں پاکستانی سفارتی کیمپ کی طرف دوڑنے لگے۔

میری طبیعت اس دن خراب تھی اور میں اپنے خیمے میں پڑا سو رہا تھا کہ میرے ساتھیوں نے مجھے آبیدار کیا۔ میں نے بڑبڑا کر پوچھا۔

"ماجرا کیا ہے...؟"

کہنے لگے!....

پاکستان میں انقلاب آ گیا' صدر یحییٰ خان مارے گئے ہیں' لیکن ابھی تک انقلاب کے بانیوں کا علم نہیں ہو سکا۔"

میں نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

جواب ملا' تمام پاکستانیوں میں کہرام مچا ہوا ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رابطہ عالم اسلامی کے ایک اور مہمان مصری عالم ڈاکٹر منعم آ گئے۔ آتے ہی کہنے لگے۔

"استاذ احسان! تمہیں معلوم ہوا کہ پاکستان میں انقلاب بپا ہو گیا ہے اور بڑی خونریزی ہو رہی ہے۔"

میں نے کہا۔

"ابھی ان دوستوں نے مجھے بتلایا ہے لیکن آپ کو کس نے خبر دی ہے؟"

کہنے لگے۔

"منیٰ میں پڑاؤ ڈالے کون سا حاجی ہے جسے اس کی اطلاع نہیں مل چکی'

سنا ہے کہ بی۔ بی۔ سی اور وائس آف امریکہ نے رات اپنے بلیٹن میں خبر دی تھی۔"

یااللہ! یہ کیا ہوا! میں نے چپل پہنے اور اپنے سفارت خانے کے کیمپ کی طرف دوڑنے لگا۔ وہاں مردوں اور عورتوں کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔ کئی لوگ اڑی ہوئی رنگت سے بار بار ہونٹوں پہ زبان پھیر رہے ہیں۔ کچھ عورتیں اپنے دیس کے گلشن کی پائمالی پہ نوحہ کناں ہیں۔ کچھ انجانے خطرات سے نیم مردہ و نیم جان ہیں۔

ہر شخص کی زبان پر ایک ہی بات ہے' یہ کیا ہو گیا! یااللہ! میرے دیس کی خیر۔ دیس کی محبت کا اندازہ بھی پردیس میں ہوتا ہے چاہے وہ پردیس خلیلؑ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا دیس ہی کیوں نہ ہو۔

ہم بڑی مشکل سے بھیڑ کو چیرتے ہوئے اپنے سفارتی مرکز کے احاطہ میں داخل ہوئے معلوم ہوا کہ سفیر صاحب تو اندر تشریف فرما ہیں۔ البتہ فرسٹ سیکرٹری لوگوں کے سوالات کے جواب دے رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا اور اس خبر کے بارہ میں سوال کیا جس نے ایک عالم کو بے چین کر رکھا ہے تو انھوں نے بڑے سکون کے ساتھ جواب دیا' ہمیں یہ خبر رات ہی کو معلوم ہو گئی تھی' لیکن ہمیں اس کی صحت و عدم صحت کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

آپ کو کچھ بھی معلوم نہیں؟

ہاں ہمیں کچھ بھی علم نہیں؟

تو پھر کس کو علم ہو گا؟

اس کے متعلق بھی ہمیں کچھ علم نہیں؟

آپ اس ملک میں پاکستان کے نمائندے ہیں

آپ بھی تو نمائندے ہیں؟۔

لیکن بھائی! ہماری اور آپ کی حیثیت میں بنیادی فرق ہے کہ آپ تو یہاں آئے ہی صرف پاکستان کی نمائندگی کے لیے ہیں اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ یہاں پاکستان کے مفادات کی حفاظت کرتے ہوئے پاکستانی لوگوں کو پاکستان کے حالات سے باخبر رکھیں۔

میرے اس جواب پہ وہ تھوڑا سا مسکرائے اور کسی قسم کی خفت محسوس کیئے بغیر کہنے لگے......

"ہم پاکستانی لوگوں کو تبھی باخبر رکھ سکتے ہیں جب ہمیں خود خبر ہو اور جب ہمیں خود ہی کچھ معلوم نہیں تو ہم کیا کریں؟"

میں نے پھر بھی دھیمے پن سے کہا "آپ نے معلوم کرنے کی کوشش تو کی ہوتی"

"کوشش کیا کریں ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہی نہیں' لے دے کر صرف ریڈیو ہے لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے آج اس نے بھی پاکستان کیچ نہیں کیا۔ اب اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"

میں نے بڑی بے تابی سے کہا۔ "آپ کو یہ خبر سنے کتنا وقت ہو گیا ہے؟"

جواب ملا' کل شام سنی تھی۔

میں تلملا اٹھا اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ قوم کبھی کی ڈوب گئی جس کے تم ترجمان اور نمائندے ہو۔ تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا کہ اس خبر پر پورے سترہ گھنٹے گزر چکے ہیں اور تم ابھی تک اس کی توثیق و تردید نہیں کر سکے' مکہ مکرمہ یہاں سے تین میل اور جدہ صرف پچاس میل کے فاصلے پر ہے اور مکہ میں اخبارات کے دفاتر ٹیلی پرنٹر اور جدہ میں بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیاں موجود ہیں۔ اگر تم چاہتے تو رات سے لے کر اب تک بیس مرتبہ

جدہ سے ہو کر یہاں پہنچ سکتے تھے۔ لیکن تمہیں کیا تم تو شاخ گل پہ زمزموں کی دھن تراشنے والے لوگ ہو۔ تمہاری بلا سے آشیاں پہ بجلیوں کا کارواں گزر جائے۔"

وہ کھسیانے ہو کر کہنے لگے۔

☆........☆

"اوہو اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا ویسے بھی میں اس وقت تک کیا کر سکتا تھا جب تک سفیر صاحب مجھے اس کا حکم نہ دیتے۔"

اور پھر جب تک دن ڈھلے ریڈیو پاکستان سے رات کی خبریں نشر نہ ہوئیں لوگوں کا اضطراب ختم نہ ہوا کہ پاکستان کے آٹھ بجے شب سعودی عرب میں دن ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ اس جھوٹی خبر کے پھیلانے میں ہندوستانی سفارت خانے کا ہاتھ تھا....

یہ عالم ہے بھارتی پروپیگنڈے کے کمال اور اس کے کرشموں کا اور یہ حال ہے ہمارے سفارت خانوں کی نااہلیت اور بے بصری کا۔

وہ دوست اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے تو شام جھٹ پٹا ہو چکا تھا سارے دوست حرم جانے کے لیے تیار ہو گئے' وضو وہیں کر لیے اور احتیاطاً" بستر کی دو چادریں اٹھالیں۔ اگر مسجد الحرام میں داخل نہ ہو سکے تو باہر بچھالی جائیں۔

لیکن جب سوئے حرم چلے تو دیکھا کہ حرم مقدس کی بیرونی دیوار سے بھی دو دو سو گز کی دوری تک سڑک پر بھی کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ ابھی اذان میں خاصی دیر تھی۔ فضائے مکہ میں موسم گل اور اس قدر پر بہار' دل و دماغ جھوم جھوم اٹھے۔ ہم نے اپنی چادریں وہیں بچھالیں...

اذان مغرب ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہم سے بھی سو گز پیچھے تک نمازی قطار

اندر قطار ذوق و شوق کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد جب تھوڑی سی بھیڑ چھٹی تو ہم جوں توں کر کے حرم کے اندر داخل ہو ہی گئے اور پھر رات گئے تک حاضری کے نظارے اور حضوری کا لطف لوٹتے رہے اور جب رات کچھ زیادہ ہی بھیگ گئی تو ہم اپنی قیام گاہ پہ واپس ہو لئے... اب آٹھویں ذی الحجہ یعنی بلدہ حرام سے منیٰ کی طرف کوچ کرنے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے اور لوگ کوچ کی تیاریوں میں مشغول اور مصروف ہو چکے تھے شہید ملتؒ نے یہاں تک سفر حجاز لکھا تھا اس کے بعد منیٰ کے لیے روانگی' نماز قصر' عرفات کو روانگی' جمع بین الصلاتین' وقوف عرفات' جبل رحمت' وقوف عرفہ' عرفات سے واپسی' مزدلفہ میں نماز مغرب و عشاء' مزدلفہ میں شب بسری' مزدلفہ سے واپسی' رمی جمار' قربانی' طواف افاضہ' حلق و تقصیر' دوبارہ سعی اور منیٰ میں رات گزارنا و دیگر ضروری امور پر انہوں نے قلم اٹھانا تھا پھر حج کے بعد مدینۃ الرسولؐ میں حاضری بھی ہوئی اس کا تذکرہ بھی باقی تھا مگر ہجوم کار اور گوناگوں مصروفیتوں نے مہلت نہ دی۔ کہ اس سفرنامے کو مکمل فرماتے اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس سفرنامے کو مکمل کرنا ہے۔ مگر کیسے معلوم تھا کہ سفرنامے کو مکمل کرنے سے پہلے خود ہی سفر آخرت پر روانہ ہو جائیں گے۔

اللهم اغفر له وارحمه


مدینے سے سیالکوٹ تک

مدینہ سے سیالکوٹ تک

اس دن موسم بڑا ہی خوش گوار تھا۔ رات دیر تک جاگتے رہنے سے صبح اس وقت آنکھ کھلی جب گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ جلدی جلدی اٹھ کر نماز ادا کی۔ ہولڈال اور اٹیچی سنبھالا اور بڑی حسرت و یاس سے کمرے کو مقفل کیا وہ کمرہ جس میں تنہائی کا ایک سال بسر کیا تھا اور جس کی تنہائی سے ایک الفت ہو گئی تھی۔ چابی مراقب کے حوالے کی اور خود آنکھوں میں آنسو لیے باہر نکل آیا آسمان پر چاروں طرف شفق پھیلی ہوئی تھی اور باد نسیم احد و مسلع کو چومتی ہوئی بھولے ہوئے فرقت کے گیت گا رہی تھی۔ میں نے رومال نکال کر آنسو خشک کئے اور بڑی محبت سے جس میں ہزاروں تمنائیں پوشیدہ تھیں۔ جبل احد کو دیکھا وہی جبل احد جس پر ایک دفعہ سرور عالمؐ اور آپ کے ساتھی ابوبکر صدیقؓ' عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ چڑھے تھے اور اس نے لرزنا شروع کر دیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا احد تمہیں معلوم نہیں کہ تم پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں اور جس کے متعلق آپ فرمایا کرتے احد ہم سے محبت کرتا ہے ار ہم احد سے محبت کرتے ہیں۔ وہی احد جس کو میں ہر صبح اٹھ کر بڑے پیار سے دیکھا کرتا تھا کیونکہ میرے آقا ﷺ کو اس سے محبت تھی آج اس احد کو میں الوداع کہہ رہا تھا۔ قدرتی طور پر یونیورسٹی ہوسٹل میں مجھے جو کمرہ ملا تھا۔ اس کا دروازہ بالکل احد کی سمت کھلتا تھا دروازے سے نکلتے ہوئے سب سے پہلے جس پر نظر پڑتی تھی وہ احد پہاڑ ہوتا میں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیئے یااللہ میری یہ جدائی عارضی جدائی ہو یااللہ میں

اس احد سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ یہ میرے مولا سے محبت کرتا تھا۔ مجھے مدینہ کا ذرہ ذرہ عزیز ہے۔ کیونکہ ان پر انسانیت کے سب سے بڑے محسن کے نقش قدم ثبت ہیں۔ اتنی دیر میں ساتھی گاڑی پر بیٹھ گئے اور میں بھی دعا کو مختصر کرتا ہوا بھاری بھاری قدم اٹھاتا سوار ہو گیا۔ گاڑی چل پڑی اور چند منٹوں کے بعد وہ یونیورسٹی پھاٹک سے نکلتی ہوئی وادی عقیق عبور کر رہی تھی سامنے مسجد نبوی ﷺ کے پرشکوہ مینار اپنی پوری عظمت کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے سب کی ٹکٹکیاں لگی ہوئی تھیں اور اس وقت تک آنکھ نہ جھپکی۔ جب تک کہ آنکھوں پر آنسوؤں کے دبیز پردے نہ پڑ گئے شہر سے نکل کر ناشتہ کیا اور پھر گاڑی پوری برق رفتاری سے چلنے لگی اور راستے میں وہ وادی بھی آ گئی جسے "وادی روحاء" کہتے ہیں' صاحب وفاء الوفاء لکھتے ہیں کہ اس وادی میں ستر ہزار انبیاء نے نماز ادا کی اور ایک روایت میں ہے حضور اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ وادی جنت کی وادیوں میں سے ہے' اس کا ہر موڑ اور ہر ٹیلہ اپنے اندر ایک تاریخ لیے ہوئے ہے' ان ہی ٹیلوں پر کھڑے ہو کر کبھی صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اپنے لشکروں کو خود وداع کیا کرتے تھے اور ان ہی موڑوں پر کھڑے ہو کر مائیں اپنے غازیوں کا انتظار کیا کرتیں تھیں اور کسی ایسی ہی وادی میں کھڑے ہو کر ایک مجاہدہ نے سنا تھا کہ اس کا خاوند' بھائی' باپ اور بیٹا جنگ میں شہادت پا چکے ہیں تو اس نے بڑے صبر و استقلال سے جواب دیا تھا میں تو یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ خواجہ کونین ﷺ کا کیا حال ہے اور جب جواب دینے والے نے جواب دیا کہ وہ بالکل خیریت سے ہیں تو اس نے مسرت سے چلاتے ہوئے کہا پھر میرے عزیزوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے سرتاج' سہارے اور آسرے نے اپنے خون سے میرے مقتدا کی حفاظت کی ہے کتنے مقدس تھے وہ لوگ اور کتنی خوش بخت ہے یہ سرزمین۔ اور پھر میں بھٹکنے لگا۔

اس زمین کو یہ شرف حاصل کیوں ہوا۔ صرف اس وجہ سے کہ اس میں وہ پاکیزہ ہستیاں چلا پھرا کرتی تھیں جنہیں حضور اکرمؐ کی اتباع کا فخر حاصل تھا۔ آج کیا وجہ ہے کہ آپ کے ماننے والے' آپ کا کلمہ پڑھنے والے' زبانی محبت جمع خرچ کرنے والے' آپ کے فرامین سے اس قدر بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس وقت جبکہ ہماری تعداد کم تھی۔ ہم کمزور و ناتواں تھے۔ ہم انہی ریگستانوں سے اٹھے اور قیصرو کسریٰ کی سلطنتوں پر چھا گئے۔

ہم آج ریت کے ذروں سے بڑھ کر ہیں ہمارے پاس خوبصورت اور سرسبز باغات ہیں دولت کی بھی کمی نہیں ہم دنیا کی دوسری بڑی قوم ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا اپنا وجود خطرے میں ہے۔

اس وقت ہم بھوکے سویا کرتے تھے تو روم اور یونان ہماری ہیبت سے لرزا کرتے اور آج ہم سیر ہیں پھر بھی کبھی کمیونزم کا ہوا ہمیں ڈراتا ہے اور کبھی سرمایہ داری کا بھوت۔

اس وقت ہم بادل بن کر اٹھے اور پوری دنیا کو سیراب کیا' آج ہم خود تشنہ ہیں۔

انہی خیالات میں ہم بدر پہنچ گئے بدر جو ہماری جوانمردی کا شاہد ہے جس کا ذرہ ذرہ ہماری شجاعت کا معترف ہے جس کے ٹیلے ابھی تک شہیدوں کے خون کی لالی لیے ہوئے ہیں۔

یہاں رک کر تھوڑا سا آرام کیا اور پھر آگے کو روانہ ہو گئے اور ظہر ہونے سے پہلے پہلے ہم جدہ کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ جدہ کی سربفلک عمارتیں دور دور سے نظر آتی ہیں۔

جدہ میں داخل ہو کر آدمی یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ ریگستان عرب میں ہے۔ بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کا ایک خوبصورت شہر ہے۔ کشادہ سڑکیں اور ان

کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے بلند و بالا پول دورویہ انگریزی طرز کی بنی ہوئی عمارتیں یہ جدہ کی خصوصیات ہیں ہم سیدھے بغدادیہ میں یونیورسٹی کی بنی ہوئی بلڈنگ میں اترے وہاں نماز ظہر ادا کی اور نہا دھو کر سو رہے۔ عصر کے وقت اٹھ کر محلّہ کی مسجد میں ہی نماز پڑھی اور جدہ دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ عصر کے بعد جدہ کی رونق اپنے جوبن پر ہوتی ہے بازاروں میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور ہر رنگ و نسل کے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں چونکہ غیر ملکی سفارت خانے جدہ میں ہیں اس لیے اس کا ماحول پورے حجاز سے الگ تھلگ ہے عام لباس بھی غیر ملکیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

ایک اور عجیب بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ یورپ نے جس قدر اثر عورتوں پر ڈالا ہے اس قدر مردوں پر نہیں۔ ہم نے ایک بھی مرد ایسا نہیں دیکھا جس نے انگریزی لباس پہن رکھا ہو۔ برخلاف اس کے بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی جنھوں نے عربی لباس پہن رکھا ہو۔ وہ سب یورپی لباس میں ملبوس اور اوپر صرف برقع لیے وہ بھی نیم سا۔

بہرحال ہم مارکیٹ میں گئے دیکھا کہ ایک ایک دکان ہمارے ہاں کی پوری پوری مارکیٹ ہے آدمی جس دکان میں چلا جائے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا کی ورائٹی جمع کر دی گئی ہے۔ خواہ وہ کپڑے کی دکان ہو' یا چینی کی ہو' سامان آرائش ہو یا اسباب تعیش۔ بازاروں میں گاڑیاں دیکھیں جو شائد ہمارے ہاں نوابوں کے پاس بھی نہ ہوں۔ پورے قیام میں ایک یا دو گاڑیاں ایسی دیکھی ہوں گی جو پرانی ہوں یا بیس بائیس فٹ سے کم ہوں۔ یہی حالت ٹیکسیوں کی تھی۔

مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو بازاروں میں سپاہی گھومنے لگے۔ صلوۃ صلوۃ (نماز نماز)' مغرب ادا کر کے کھانے کے لیے حرمین ہوٹل کی طرف چل نکلے کھانا سعودی عرب میں ویسے ہی خاصا مہنگا ہوتا ہے خصوصاً" بڑے ہوٹلوں میں تو گرانی ہوش ربا

ہوتی ہے۔ کھانا کھا کر جدہ کی مشہور شخصیت شیخ محمد نصیف سے ملنے چلے گئے شیخ نصیف اپنی علم دوستی اور عظیم کتب خانہ کی وجہ سے مشرق میں ہی نہیں۔ بلکہ یورپ میں بھی کافی شہرت رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے مستشرقین ان سے آکر استفادہ کرتے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت اسی سال سے تجاوز ہے لیکن جوانوں سے زیادہ صحت مند ہیں اور حافظہ بھی بلا کا ہے میں جب ان کے پاس گیا تو میرے ساتھ ایک اور دوست بھی تھے اطلاع دی تو فوراً بلوایا اور بڑے تپاک سے ملے۔ عربی قہوے اور اس کے بعد مینگو جوس سے تواضع کی اور پھر دھیمے دھیمے گفتگو کرنے لگے۔

یہ ملاقات تقریباً" تین گھنٹے تک طول کھینچ گئی اور کوئی ہی ایسا موضوع ہو گا۔ جس پر گفتگو نہ ہوئی ہو۔ موسیقی، شعر و شاعری، ادب، حدیث، تفسیر، رجال سے ہوتے ہوئے کتابوں تک بات چیت ہوئی کہ کون سی کتاب کہاں چھپ رہی ہے۔ واقعی شیخ نصیف بہت بڑے صاحب علم ہیں جب وقت کافی گزر گیا تو اجازت لی اور دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔

صبح صبح عمرہ کے لیے جانا تھا۔ اس لیے اذان ہوتے ہی نہا کر احرام باندھا اور نماز ادا کر کے بیت الحرام کو ہو لیے اس سال اللہ کے فضل سے بیت اللہ کی طرف یہ چوتھا سفر تھا۔ پہلا جب ہم سعودی عرب آئے تھے دوسری مرتبہ رمضان المبارک میں، تیسری مرتبہ حج کے موقع پر اور چوتھی مرتبہ اب وطن لوٹتے ہوئے وداعی سفر۔

بیت اللہ کی طرف جاتے ہوئے انسان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے زبان پر تکبیر و تلبیہ۔ دل میں اللہ کے گھر کا جلال و دبدبہ اور سینکڑوں آرزوئیں۔ پون گھنٹہ بعد ہم حدود حرم میں داخل ہو چکے تھے مکہ المکرمہ کی مقدس زمین شروع ہو چکی تھی وہ زمین جس میں اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر بنایا گیا ہے اور جس کی تعمیر کا شرف ابراہیمؑ خلیل اللہ اور اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ کو حاصل ہے اور وہ سرزمین

جہاں خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت گاہ ہے جہاں حضورؐ نے اپنا بچپن جوانی اور کھولت کے ایام بسر کئے ہیں۔ جہاں یتیم مکہ ﷺ کے سر پر نبوت کا تاج رکھا گیا ہے ہماری گاڑی باب السعود کے سامنے جاکر رکی نیچے اتر کر احرام درست کیا اور بصد ادب و احترام نظریں جھکائے مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی زبان پر آ گیا۔ اللھم زد بیتک ھذا تعظیما و تشریفا و مھابۃ

طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد سعی وغیرہ سے فارغ ہوئے تو سر منڈایا اور نہا کر احرام کھولا۔ لباس تبدیل کیا ار پھر مسجد میں آ گئے وہ سارا دن بیت اللہ کو دیکھنے میں کٹا۔ صرف کھانے کے لیے باہر نکلے رات ہوئی تو تھوڑا سا بازار میں گھومے اور اس کے بعد بادیدہ ترجدہ کو واپس ہو گئے۔

دوسرے دن صبح جہاز چلنا تھا۔ میرا زندگی میں پہلا سمندری سفر تھا دوستوں نے بہت ڈرایا کہ طبیعت بہت خراب ہو جاتی ہے بہرحال اللہ پر توکل کیا رات کٹی۔ صبح صبح بندرگاہ کا رخ کیا سفینہ حجاج ایسے معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ایک وسیع و عریض شہر ہے جو سطح سمندر پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔

ظہر کے بعد جہاز نے لنگر اٹھا دیئے اور جہاز سمندر کی لہروں سے کھیلنے لگا دوسرے دن جہاز چودہ گھنٹے کے لیے عدن رکا۔ اس بہانے عدن دیکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ عدن ساحل سمندر پر ایک خوبصورت شہر جو انگریزی استبداد سے جنگ آزادی کے لیے اپنے بیٹوں کے خون سے اپنے پہاڑوں کو رنگین کر رہا ہے یہاں انگریز بھی کافی تعداد میں آباد ہیں' لیکن عرب آبادی دلی طور پر ان سے نفرت کرتی ہے۔ عدن میں تقریباً" آٹھ دس گھنٹے گزار کر ہم واپس جہاز میں آ گئے۔

رات بھر جہاز عدن کی رپورٹ پر ٹھہرا رہا اور صبح کو وہاں سے چل پڑا۔ عدن سے نکلنے کے بعد محیط ہندی شروع ہوا۔ محیط ہندی یا بحیرہ ہند پوری طرح بپھرا ہوا تھا۔ اس کی سرکش موجیں جب جہاز سے ٹکراتیں تو جہاز ایک ننھے سے کھلونے

کی طرح ادھر سے ادھر جھولنا شروع کر دیتا۔ جولائی اور اگست میں جوار بھاٹا اپنے عروج پر ہوتا ہے لوگ اِدھر اُدھر لڑھک رہے تھے لیکن پہلا سفر ہونے کے باوجود مجھ پر ڈھولنے کا کوئی خاص اثر نہ تھا۔ بلکہ ہم پورے اطمینان سے حاجیوں کی خدمت میں مشغول تھے حاجیوں کے گمشدہ سامان کے اعلانات' سفری ہدایات اور کھانے کی تفتیش پورے جہاز کا راؤنڈ' یہ میرے ذمہ ہے انہی اشغال میں کراچی کے روشنی کے مینار نظر آنے لگے۔ وہ مینار جو میرے وطن کی سرحدوں کے امین ہیں' جو بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتے ہیں۔

جب ہم کراچی میں داخل ہوئے تو بارش پورے زوروں پر تھی۔ آہستہ آہستہ جہاز کراچی سے قریب تر ہونے لگا اور جب گودی پر پہنچا تو دیکھا بے شمار لوگ اپنے اپنے عزیزوں کے انتظار میں کھڑے بھیگ رہے تھے اور انہوں نے نعرہ ہائے تکبیر سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ پٹڑی لگی اور لوگ ایک ایک کر کے اترنے لگے۔ خوشی کے آنسو سب کی آنکھوں میں لہریں لے رہے تھے میں نے بھی سامان قلی کو اٹھوایا اور نیچے اترا' کسٹم ہاؤس میں والد صاحب چھوٹا بھائی اور دوسرے عزیز منتظر کھڑے تھے اور ایک دوسرے کے بعد گلے لپٹے۔ سسکیوں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں اور ایک سال کی جدائی کے بعد ملاقات اور کتنے مقدس مقام سے واپسی۔ دعا سے فارغ ہوئے تو کسٹم سے نکل کر سیدھے ہوٹل کا رخ کیا۔

وہی مانوس راستے' دیکھے بھالے لوگ' اپنی زبان' اپنا ملک' وطن عزیز کی محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں سے گئے ابھی چند ہی دن گزرے ہیں کراچی بارش میں دوبا ہوا تھا۔ پروگرام مختصر کر کے دوسرے دن تیز رو پر بیٹھ گئے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت ہنس ہنس کر خوش آمدید کہہ رہے تھے یہ سبزہ دیکھے کتنی مدت گزر چکی تھی۔ گاڑی اپنی عادت کے مطابق چلتی رہی۔ گوجرانوالہ اسٹیشن پر

احباب وغیرہ کا ہجوم تھا۔ سب سے پہلے جس پر نظر پڑی وہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر مرکزی جمیعتہ اہل حدیث کی ذات گرامی تھی۔ آپ کے ساتھ گوجرانوالہ کے اور بھی کئی احباب تھے۔ سیالکوٹ جمیعتہ کے امیر، ناظم اور ضلع کے امیر اور دیگر رشتہ دار اور دوست بھی باوجود بارش اور ناخوش گوار موسم کے تشریف لائے ہوئے تھے۔

پتہ نہیں، یہ مجھ سے محبت تھی یاس اس مقدس ترین سرزمین سے جہاں رہنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ عصر کی نماز میں اس شہر میں ادا کر رہا تھا جہاں کے چپہ چپہ کے ساتھ میری یادیں وابستہ ہیں۔ جہاں میں نے بچپن کی شہنشاہی کا زمانہ بسر کیا ہے جو علامہ اقبالؒ کا شہر ہے جس میں مولانا محمد ابراہیم میرؒ کے خطبوں اور درسوں کی گونج ہے جس میں علامہ عبدالحکیمؒ کا مرقد ہے اور جس نے شاہ ولی اللہؒ کے استاذ ملا افضل کاشمیری کو جنم دیا ہے۔

نماز عصر محلّہ کی جامع مسجد میں ادا کی جب فارغ ہوا تو ارد گرد ایک ہجوم اُمڈا چلا آ رہا تھا اور بے اختیار میرے ہاتھ اٹھ گئے۔ یا اللہ دیار حبیب ﷺ کی جدائی عارضی جدائی ہو یا اللہ! ایک دفعہ پھر... اور الفاظ میری ہچکیوں میں دب گئے۔

اگست ۱۹۶۴ء


عروس البلاد
بغداد
میں

سفر عراق

۱۳ جولائی کو صبح صبح اسلام آباد سے ٹیلیفون آیا کہ عراقی سفیر جناب سید ظفر گیلانی بات کرنا چاہتے ہیں معلوم ہوا کہ ۱۷ جولائی کو عراق کے قومی دن کی تقریبات کے سلسلے میں عراقی حکومت کا دعوت نامہ آیا ہے میں نے رمضان المبارک کی آمد آمد کی بنا پر معذرت چاہی کہ اللہ کی توفیق سے اس کی راتوں کو خود قرآن مجید سناتا ہوں لیکن جناب سید کے اصرار پر دو روزہ دورہ کے لیے تیار ہو گیا۔

۱۶ جولائی کو اپنی جامع میں دو روزہ تراویح پڑھا کر لاہور سے بذریعہ پی آئی اے اور کراچی سے بذریعہ عراق ائیرویز بغداد کے لیے روانہ ہوا۔

اس سے پیشتر دو دفعہ مجھے عراق جانے کا موقعہ مل چکا تھا اور بغداد کے گلی کوچوں سے میں اچھی طرح آشنا تھا کہ بغداد سے بچپنے ہی سے مجھے دلچسپی رہی تھی کہ یہ وہ شہر تھا جسے دارالسلام اور علم کا گہوارہ ہونے کا شرف حاصل تھا اور جس کی سرزمین اپنے اندر اسلامی عظمتوں کا سرمایہ چھپائے ہوئے تھی اور اہل بغداد نے امام ابوحنیفہ امام احمدؒ امام غزالیؒ ایسی برگزیدہ اور جلیل القدر ہستیوں کی عظمت و جلالت علمی اور عقوبتوں سے لے کر قبولیتوں کے انتہا و عروج کو بھی دیکھا تھا اور یہی وہ بستی تھی کہ محدثین و ائمہ جس کے بارے میں کہتے تھے کہ جس نے اس کا سفر نہیں کیا وہ علماء میں شمار ہونے کے لائق نہیں اور سرخیل محدثین امام بخاریؒ نے جس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہر شہر ہر بستی اور ہر خطہ زمین پہ مجھے اپنے جانے اور اس کی طرف سفر کرنے کی تعداد یاد ہے مگر بغداد میں اپنے ورود کی تعداد مجھے

بھی یاد نہیں۔ یعنی بغداد ایک دفعہ میں نے اپنے لڑکپن میں آج سے تقریباً" اٹھارہ برس پیشتر ۱۹۶۳ء میں دیکھا جب کہ میں ہمہ شوق اور ہمہ دید کی تصویر بنا اس میں وارد ہوا اور اس کی ویران ویران گلیوں اور اداس اداس بازاروں اور اجڑے ہوئے دارالعلوموں اور بے رونق مسجدوں کو دیکھ کر ہمہ حرماں واپس ہوا میرے دل پر المستنصریۃ کے کھنڈروں اور جامع اعظمیۃ اور مسجد شیخیہ (شیخ جیلانیؒ کی جامع) کی نمازیوں سے خالی صفیں اور طالب علموں سے تہی حجرے دیکھے نہ گئے اور تب مجھے افسوس ہوا کہ میں یہاں آیا ہی کیوں؟

کس لیے میں نے اپنے حسین تصورات کو مجروح اور اپنے جذبات کو آشفتہ کیا؟

اور پھر مدتوں میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا حالانکہ کئی بار عراق کی جانب سے گزر بھی ہوا۔ اور پچھلے برس جون میں یورپ سے واپسی پر ایک دفعہ پھر دل بے تاب ہوا لیکن بغداد کی جھلسا دینے والی گرمی نے یورپ کی سردی چکھ کر آئے ہوئے مسافر کو ٹکنے نہ دیا اور ہم میر کی طرح ٹک دیکھ لیا اور چل نکلے' اور اسی میں اپنی عافیت سمجھ کر رخصت ہوئے لیکن اس ٹک دیکھنے میں بھی ایک پھسلتی ہوئی نظر بغداد پر پڑ ہی گئی اور خیال گزرا کہ اب وہ پہلی سی بے رونقی نہیں رہی جو عبدالکریم قاسم کے دور کی یادگار تھی لیکن اس طرح اس کی گلیوں یں نہ گھوما جا سکا کہ پہلے جیسے کبھی گھومتے تھے۔ حالانکہ اپنی کتاب البہائیہ کی خاطر میں نے کئی مقامات کو دیکھنے اور کئی جگہ جانے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

اور اب کے برس اگرچہ موسم تو کچھ ایسا ہی تلخ تھا لیکن عراق حکومت اور خصوصاً" وزارت اوقاف کہ جس کا میں مہمان تھا اور جو عراق کی اہم اور بڑی وزارتوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے' اس کے اہتمام اور روایتی عرب دلنواز مہمان نوازی نے بہت سے مواقع فراہم کر دیئے اور میں نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا

روزہ اور سفر کی تکان نے اگرچہ نڈھال کر رکھا تھا مگر میں اس کے باوصف ہوائی اڈہ پر اترتے ہی اپنے اس ساتھی کے ساتھ جو وزارت کی طرف سے ہمیں لینے آیا ہوا تھا بقیہ دن اور کل کے پروگرام ترتیب دینے لگا۔

وزارت اوقاف نے بغداد کے علاقہ کاظمیہ میں واقع ایک بڑے اور مشہور ہوٹل فندق الکاظمیہ میں ہمارے ٹھہرنے کا بندوبست کر رکھا تھا جہاں دیگر ممالک تھے۔ اس یخ بستہ ہوٹل میں اترتے ہی محسوس ہوا کہ سفر کی ساری تکان اور کلفت دور ہو چکی ہے۔ اور رہی سہی کلفت وزارت کے مسکراتے اور متواضع ڈائریکٹر تعلقات جناب خیراللہ حدیثی اور وزیر اوقاف کے مکتب خاص کے مدیر جناب مہدی صالح شکرجی کی ملاقات سے دور ہو گئی میں نے جلدی جلدی غسل کیا کپڑے بدلے اور بغداد کی جھلستی اور جھلساتی ہوئی سڑکوں پر ایک مہماندار کی معیت میں روانہ ہو گیا اگرچہ گاڑی ایئرکنڈیشنڈ تھی مگر پھر بھی باہر کی حدت اور حرارت کی شدت کا اندازہ ہو رہا تھا ہماری پہلی منزل اعظمیہ کی جامع ابی حنیفہ تھی نماز عصر کا وقت قریب تھا میں نے پہلے ظہر اور پھر جماعت کے ساتھ نماز عصر ادا کی اور اپنی حیرت اور تعجب کو نہ چھپا سکا کہ یہ وہی مسجد تھی جس میں آج سے اٹھارہ برس پیشتر ستمبر کی ایک خوشگوار شام کو مجھے نماز مغرب کی ادائیگی کا موقع ملا تھا اور تب یہاں سترہ اٹھارہ سے زیادہ نمازی نہ تھے (اور میں نے اس دور کے چٹان میں اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر بھی کیا تھا) اور آج اس گرم موسم کی عصر کی نماز میں مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی کہ اس پر نماز جمعہ کا گمان ہوتا تھا۔ یہ پہلا خوشگوار تاثر تھا جو بغداد کے سفر سے پیدا ہوا۔

☆ .... ☆

یہاں سے فارغ ہو کر بازار کی طرف گئے ہر طرف گہما گہمی اور رونق تھی ~~بے سخت گرمی اور رمضان~~ مبارک کے باوصف لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو سڑکوں

پر رواں دواں تھا' میں نے وہاں ایک نئی چیز دیکھی کہ پورے بغداد کی ماہیت تبدیل ہو چکی ہے ہر طرف تعمیرات کا سلسلہ جاری ہے کوئی علاقہ ایسا نہیں جس میں نئی نئی عمارات نہ بن رہی ہوں خوبصورت اور اونچی اونچی عمارات جابجا مساجد کی تزئین و آرائش کا کام بھی جاری تھا۔ سوق عباسیہ یعنی قدیم طرز کا محراب دار چھتا ہوا بازار از سر نو تعمیر ہو چکا تھا اور قسما قسم کی چیزوں سے بھرا پڑا شائقین کو خریداری پہ انگیخت کر رہا تھا یہاں سے ہوتے ہوئے قدیم مدرسہ المستنصریہ کے آثار کو دیکھتے ہوئے ہم سوق التنبیہ پہنچے یہ بازار کتابوں کی دکانوں کے لیے مشہور ہے قرآن و حدیث فقہ و قانون اور ادب و بلاغت سے لیکر تاریخ و قصص تک ہر قسم کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کتاب اس بازار کے مکتبوں سے مل جاتی ہے میں نے کچھ کتابیں خریدنی تھیں لیکن وقت کی کمی کے باعث ایسا نہ کر سکا۔ افطاری سے پہلے پہلے ہم کاظمیہ سے ہوتے ہوئے اپنے ہوٹل پہنچ گئے ہوٹل کے وسیع و عریض ڈائننگ روم میں وزارت اوقاف کے مہمانوں کے لیے ایک الگ گوشہ مخصوص تھا اور جاپان' انگلستان' تھائی لینڈ' یونان اور ترکی کے علماء و دانشور مہمان آکر کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے میں بھی جلدی سے تجدید وضو کر کے آن بیٹھا اور دیکھا کہ ہوٹل کے بہروں کے ساتھ ساتھ وزارت کے آفیسرز بھی مہمانوں کے لیے کھانا وغیرہ لگانے میں مشغول و مصروف ہیں۔ اس قسم کی میزبانی کا تجربہ پہلی مرتبہ ہوا کہ خود بڑے آفیسرز بھی بہروں کی طرح مہمانوں کی تواضع میں منہمک ہوں' افطار کے بعد ہوٹل ہی میں کنار دجلہ با جماعت نماز ادا کی اور پھر تمام وفود اپنے اپنے پروگراموں پر نکل گئے۔ میری بڑی خواہش یہی تھی کہ وقت کو غنیمت جان کر پورے بغداد پر ایک نگاہ ڈال لوں چنانچہ آفیسر مہمانداری کو بلا کر اپنے پروگرام سے آگاہ کیا کہ میں صرف کل دن تک کے لیے ہی بغداد ٹھہر سکتا ہوں اس لیے میری خواہش ہے کہ آرام وغیرہ کی پرواہ کئے بغیر پورا وقت بھرپور طور پر

گزر جائے۔ پہلے تو انہوں نے اس قدر جلد واپسی پر تعجب کا اظہار کیا پھر کچھ اور دن گزارنے پر اصرار آخر کار میرے شکریئے اور معذرت پر پروگرام کے متعلق ایک ساتھی کو ہدایات دیں اور ساتھ ہی جناب وزیر اوقاف کو بھی میری جلد واپس ہونے کی خبر کر دی' وزارت اوقاف و امور مذہبی کے نوجوان مستعد سربراہ جناب اسد نوری فیصل شاھر نے فوراً ہی اپنی مصروفیات سے میرے لیے وقت نکالا کہ ویسے جمعہ کے روز وفود سے ان کی ملاقات طے تھی اور رات نماز عشاء کے بعد مقامی وقت کے مطابق دس بجے مجھے ملاقات کے لیے وزارت کے مرکزی دفتر میں بلا لیا تب تک کے لیے میں نے اپنے گائیڈ کے ساتھ مسجد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جانے اور وہاں سے شارع ابی نواس تک ہو آنے اور رات کے وقت بغداد کی سڑکوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کا پروگرام ترتیب دے لیا چنانچہ کاظمیہ سے روانہ ہو کر سر الائمہ عبور کر کے ہم اعظمیہ سے ہوتے ہوئے شارع الرشید کا چکر لگا کر شیخیہ پہنچے اور نماز عشاء مسجد شیخ میں ادا کی آمین کی گونج سے مسجد کے مینار تک گنگنا اٹھے باہر مسجد کا کھلا اور فراخ صحن نمازیوں سے اٹا پڑا تھا۔

مسجد میں نمازیوں کی پر زور آمین اور رفع یدین سے ایک خوشگوار حیرت ہوئی' شیخ جیلانیؒ کے مسلک کا تو پہلے ہی علم تھا لیکن ان کی مسجد میں سنت کے اس تعامل پر بڑی مسرت ہوئی نماز عشاء کے بعد تراویح کا سلسلہ شروع ہوا اور ہم نماز سے فارغ ہو کر باہر آ گئے شیخیہ کے چوک میں ایک پیدل چکر لگا کر پھر شارع رشید سے ہوتے ہوئے بغداد کی سب سے خوبصورت پر رونق اور سر بفلک عمارتوں والی شاہراہ شارع ابونواس پر آ نکلے شارع ابو نواس دجلہ کے کنارے کنارے کئی میل تک ہوٹلوں' قہوہ خانوں اور سیر گاہوں کا ایک سلسلہ اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے اس کی پشت پر واقع سڑک بھی ہوٹلوں کی وجہ سے مشہور ہے یہاں آ کر واقعی عباسیوں کا بغداد نگاہوں کے سامنے گھوم گیا اور ان کی تاریخ میں

محفوظ وہی بغداد وہی دجلہ وہی کنار دریا وہی سیر گاہیں اور خوبصورت عمارتیں اور وہی رنگ و نور کا سیلاب۔

لیکن جلد ہی یہاں سے پلٹنا پڑا کہ جناب وزیر سے ملاقات کا وقت ہو چکا تھا چنانچہ وہاں سے پلٹ کر ایک بلند و بالا اور پر شکوہ عمارت کے سامنے گاڑی رکی معلوم ہوا کہ یہی وزارت اوقاف کا مرکزی سیکرٹریٹ ہے یہاں سب سے پہلے سید خیر اللہ حدیثی ڈائریکٹر تعلقات عامہ سے ملاقات ہوئی پھر سید مہدی صالح شکرجی سے اور ابھی ان کے آفس میں بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ جناب وزیر کا بلاوا آگیا۔

ایک انتہائی آراستہ خوبصورت اور کشادہ کمرہ کے باہر وزیر اوقاف کی تختی لگی ہوئی تھی اندر داخل ہوئے تو ایک خوبصورت میانہ قامت کے جوان رعنا سے ملاقات ہوئی پتہ چلا کہ یہی سید نوری فیصل شاہر وزیر اوقاف و مذہبی امور ہیں۔ کمرہ میں ٹی وی' ریڈیو اور پریس کے نمائندگان بھی موجود تھے۔ علیک سلیک کے بعد گفتگو کے آغاز میں ہی جناب وزیر نے اس خوشی کا اظہار کیا کہ پاکستان اور عراق میں کافی قرب پیدا ہو چکا ہے اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے انہوں نے پاکستان اور پاکستانی عوام سے اپنی اور اپنی حکومت کی محبت اور تعلق کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کو درپیش مسائل پر بھی اپنی ہمدردی ظاہر کی اور کھل کر افغانستان اور ایٹمی توانائی کے حصول کے مسئلہ پر پاکستانی موقف کی تائید کی نیز اس بات پر بھی زور دیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو اور فروغ ملنا چاہیے نیز آپس میں زیادہ وسیع پیمانے پر وفود کے تبادلے ہونے چاہیں تاکہ دونوں ملکوں اور ان کے عوام کے درمیان روابط میں پختگی اور مضبوطی پیدا ہو انہوں نے پاکستان کی طرف سے عرب مسائل پر مسلسل تائید و حمایت کے لیے اپنی ممنونیت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی پیغام دیا کہ عراق بھی اس سلسلہ میں پاکستان کی تائید و حمایت میں پیچھے نہیں رہے گا۔

گفتگو کا آغاز اس خوبصورت اور خوشگوار انداز میں ہو تو ظاہر ہے ذہنوں اور

دلوں میں خوشی کے چراغ کیوں روشن نہ ہوں گے اور پھر تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے تک مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا انہیں اس بات کی بھی بڑی خوشی تھی کہ میرے ساتھ گفتگو میں انہیں کسی ترجمان کی ضرورت نہیں پڑی اور جب میں نے انہیں عربی تصانیف پیش کیں تو ان کی خوشی دو چند ہو گئی۔ اسی سے سلسلہ گفتگو عربی کی تعلیم کی طرف مڑ گیا جس پر انہوں نے مجھے بتلا دیا کہ عراقی حکومت نے حکومت پاکستان کو پاکستان میں چار عظیم الشان خوبصورت مساجد اپنے خرچ پر تعمیر کر کے دینے کی پیش کش کی ہے نیز وہ اس کے ساتھ عربی تعلیم کے مدارس کھولنے پر بھی آمادہ و تیار ہیں اس سلسلے میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی وزارت لاکھوں کی تعداد میں خوبصورت کلام پاک کے نسخے شائع کر کے دنیا بھر میں تقسیم کر چکی ہے نیز اس وزارت نے چھیالیس نادر و نایاب کتب حدیث و فقہ کو بھی زیور طباعت سے آراستہ کر کے دنیا بھر کے اسلامی مکتبات اور جامعات کو تحفتہ ارسال کیا ہے جو ابھی تک دنیا میں کہیں بھی شائع نہیں ہوئی تھی اور جو بغداد کے قدیم مکتبات میں قلمی نسخوں کے طور پر موجود تھیں۔ نیز ابھی کئی اور اسی طرح کی کتب زیر طبع ہیں۔ انہوں نے ازراہ عنایت کلام پاک کا ایک خوبصورت طلائی مرصع نسخہ اور ان کی کتب کا ایک سیٹ مجھے بھی تحفتہ دیا۔ میں نے اس پر ان کی اور ان کی وزارت کی تحسین کی کہ یہ ایک ایسا عمدہ کام ہے جس سے حکومت اور وزارت کی نیک نامی میں قابل قدر اضافہ ہو گا۔

وزیر اوقاف نے یہ بھی بتلایا کہ ان کی حکومت پاکستانی حکومت کو اس سلسلہ میں اور دیگر انہی منصوبوں میں اپنی بھرپور مدد و معاونت بہم پہنچانے کے لیے ہر طرح آمادہ و تیار ہے نیز وہ پاکستانی وزیر اوقاف کو دورہ عراق کی دعوت بھی دے رہے ہیں تاکہ اس بارہ میں کوئی ٹھوس اقدام کیا جا سکے۔ وزیر اوقاف جناب نوری فیصل شاہر نے دوران گفتگو اس امداد کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا جو ان کی وزارت کی

طرف سے جاپان' تھائی لینڈ' فلپائن' امریکہ' برطانیہ اور دیگر ملکوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مختلف کام کرنے والی تنظیموں کو دی جا رہی ہے ساتھ ہی ساتھ مسلمان اقلیتوں کے لیے اپنی اور اپنی وزارت کی مساعی کا بھی تذکرہ کیا اور کہا کہ اسی طرح ہم حکومت پاکستان کی وساطت سے پاکستان کے مدراس اور دینی اداروں کی معاونت کے لیے بھی ہر طرح سے تیار ہیں۔

تقریباً" پونے بارہ بجے تک میں ان کے پاس رہا پھر وہاں سے اپنی فرود گاہ کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں دجلہ کے کنارے دیر تک کھڑا ماضی کے ان جھروکوں سے جھانکنے میں کوشاں رہا جب اسلام کا سورج نصف النہار پہ اور بغداد عالم اسلام کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا' یہاں سے اسلامی فتوحات کے پھریرے روانہ ہوتے اور کہیں یورپین اقوام کے شہنشاہ اپنے سفراء کے ذریعہ خلیفہ اسلام کے لیے اپنی نیاز مندی کا اظہار کرتے تھے۔

اور پھر یہیں سے اسلامی علوم کے سرچشمے پوری دنیا کو سیراب کرتے اور اہل عالم کی علمی تشنگی کو بجھاتے تھے اور پھر اسی دجلہ نے کتنے مناظر دیکھے عباسیوں کے عروج کو بھی دیکھا اور پھر ان کے زوال سے بھی آشنا ہوا۔ کبھی انہیں پھیلتے دیکھا اور کبھی سمٹتے۔

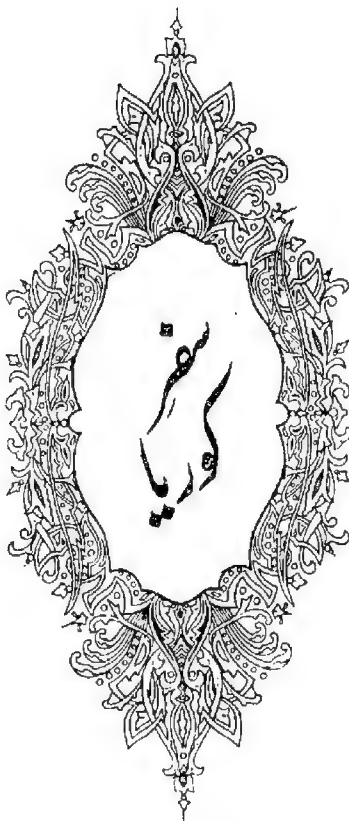
اور یہیں پہ ابو حنیفہ کی فقاہتوں' احمد بن حنبل کی شجاعتوں غزالی کی حکمتوں اور جنید و جیلانی و کرخی کے صوفیانہ فلسفوں اور خطیب کی تاریخی چشموں سے آگہی حاصل کی اور کئی شہنشاہوں' عالموں' فقیروں' تاریخ دانوں اور دانشوروں کو اپنی آغوش میں لیے آج بھی اسی طرح زمانے کی کروٹوں سے بے نیاز رواں دواں ہے جیسے ہزاروں سال پہلے تھا۔

دوسرے دن پورے عراق میں چھٹی تھی اور مختلف وزارتوں نے مختلف تقاریب کا اہتمام کر رکھا تھا وزارت اوقاف کی طرف سے ایک کتب خانہ کا افتتاح

اور قدیم مخطوطات کی ایک نمائش تھی پھر عراق کے نوجوان صدر جناب صدام حسین کی تقریر اور اس کے بعد دیگر پروگرام تھے ان مختلف تقاریب سے فارغ ہوئے تو پھر کئی اور لوگوں سے ملاقاتوں کا پروگرام تھا لیکن میں پھر بغداد کی سیر کے لیے نکل گیا۔ اسی سفر میں کرخ میں واقع وہ مکان بھی دیکھا جسے بہائیوں نے قبلہ گاہ قرار دیا تھا لیکن جسے عراق حکومت نے اپنی تحویل میں لے کر امام باڑے میں تبدیل کر دیا۔ نیز بہت سے مقامات دیکھے جن کا تفیصلی تذکرہ آئندہ کسی اشاعت میں ہو گا اور اسی طرح جمعہ کی صبح میں عراق سے واپس پاکستان آ پہنچا۔

ہوائی اڈہ پر وزارت اوقاف کے نمائندوں نے بڑی محبت سے الوداع کیا اور میں بغداد سے خوشگوار یادیں لیے دو دن بعد وطن آ پہنچا اور خدا کی کریمی سے پھر قرآن حکیم کی منزل سنانے میں آ مصروف ہوا اس بات سے خوش کہ عراق حکومت بڑی تیزی سے اسلام اور عالم اسلام کی طرف اپنا رخ پھیر چکی اور عالمی کمیونزم کے سب سے بڑے نمائندے روس سے افغانستان کے مسئلہ پر ٹکراؤ مول لے کر اسلام کی بڑی برادری سے اپنا رشتہ استوار کر چکی ہے۔

اگست ۱۹۸۰ء



سفر کوریا

یہ سال اپنے جلو میں میرے لیے متعدد سفروں کا پیغام لے کر آیا ابتداء سال ہی سے سفر درپیش رہے اور اب کے ستمبر کے آغاز میں جنوبی کوریا کے مسلمانوں کی تنظیم کی دعوت پر دس ستمبر کو براستہ ٹوکیو' سیول کہ جنوبی کوریا کا دارالحکومت ہے کے لیے روانہ ہوا۔

کراچی سے تقریباً" بارہ گھنٹے کی پرواز کے بعد براستہ پیکنگ ٹوکیو پہنچا وہاں رات گزار کے صبح سیول کے لیے روانہ ہوا اڑھائی گھنٹہ کی پرواز کے بعد جہاز جب سیول میں اترا تو مسلم فیڈریشن کے علاوہ حکومت جنوبی کوریا کے افسران مہمانداری بھی استقبال کے لیے موجود تھے جمعہ کا دن اور بارہ تاریخ تھی اور اسی دن ہی کوریا کے دوسرے بڑے شہر پوسان میں پہلی مسلم مسجد کے افتتاح کی تقریب تھی چنانچہ ہوائی اڈہ سے میں پوسان جانے والے جہاز پر سوار ہوا اور عین وقت تقریب پوسان کی جامع مسجد جا پہنچا مسجد کا صحن اور بڑا ہال کورین مسلمانوں اور مختلف ملکوں سے آئے ہوئے علماء و عمائدین سے بھرا ہوا تھا اور قطر کے مندوب جناب شیخ عبداللہ الانصاری خطاب کر رہے تھے۔

پوسان ایک بہت بڑا صنعتی شہر ہے اور سمندر کے کنارے آباد انتہائی صاف ستھرا اور خوبصورت چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں گھرا ہوا وہ پہاڑیوں جو سبزے سے ڈھکی ہوئی اور درختوں کی قطاروں میں چھپی ہوئی ہیں' اس کے ایک کونے میں لب دریا اور پہاڑیوں کے دامن اور مرغزاروں کے عین درمیان ایک خوبصورت اونچے میناروں والی مسجد ایستادہ تھی اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت

مرکز لائبریری' اجتماعات کے لیے بڑا ہال اور مہمانوں کے لیے دو خوبصورت کمرے بڑی نفاست سے بنائے گئے تھے' کوریا کے نوجوان نو مسلموں کے چہرے اپنے دور دراز کے مسلم بھائیوں کی آمد سے تمتما رہے تھے' پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے علاوہ شرکاء میں گرد و پیش کے مسلم اقلیت والے ملکوں کے مسلم علماء اکابرین بھی شریک محفل تھے جاپان فارموسا سنگاپور فلپائن اور دوسرے کئی علاقوں سے آنے والوں کے چہرے خوشی و مسرت سے جگمگا رہے تھے کہ کوریا میں رب کریم کی عبادت کے لیے دوسرا بڑا اسلامی مرکز تکمیل کو پہنچ چکا ہے مختلف ممالک کے مندوبین نے اس موقع پر اپنی اپنی حکومتوں اور اپنے اپنے ملکوں کے عوام کی طرف سے خیر سگالی معاونت و مساعدت کے پیغامات دیئے' یہاں سے فارغ ہو کر سمندر میں لنگر انداز پوسان کے ایک بڑے ہوٹل میں مہمانوں کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا رات کو اسی ہوٹل میں پوسان کے میئر نے مہمانوں کے اعزاز میں عشائیہ دیا اور اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں پوسان کے شہریوں کی جانب سے خیر سگالی کا اظہار کیا۔

دوسرے دن ہفتہ تیرہ ستمبر کو بذریعہ روڈ صبح ہی صبح سیول کے لیے روانگی ہوئی کیونکہ راستہ میں متعدد صنعتی مراکز اور شہروں کو دکھانا مقصود تھا سب سے پہلے السان سٹی میں موٹروں کا ایک عظیم کارخانہ دیکھا اور حیرت ہوئی کہ اس چھوٹے سے ایشیائی ملک نے جو خانہ جنگی کی ایک لمبی اور دردناک مصیبت سے گزر چکا ہے کس طرح ترقی کی ہے کہ آج بڑے بڑے ممالک اس کی صنعتی ترقی اور حیرت انگیز اقتصادی خوشحالی کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں اس کارخانہ میں ہر ایک منٹ کے بعد ایک موٹر کار بنتی ہے ٹرک بسیں اور دیگر عمل و نقل کی چیزیں الگ ہیں اس کے بعد واہنڈا میں جہاز سازی کا وہ عظیم شپ یارڈ دیکھا جو ساری دنیا میں جہاز بنانے کا سب سے بڑا ورکشاپ ہے۔ اور جس میں تقریباً" پچاس ہزار مزدور کام کرتے

ہیں اس کی اپنی گودی میں اس کے اپنے تیار کردہ تقریباً" اٹھارہ جہاز کھڑے تھے جن میں سے کچھ امریکہ آسٹریلیا جرمنی اور کچھ کویت سعودیہ اور دیگر مسلمان ملکوں کے لیے بنائے گئے تھے دوپہر کا کھانا بھی انہی کی طرف سے تھا وہیں پہ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں وہاں سے راستہ میں ایک اور صنعتی شہر میں بجلی کے سازو سامان کا ایک بڑا کارخانہ دیکھا جس میں ٹیلیفون آلات سے لے کر گھریلو سازو سامان تک دنیا کی بجلی کی ہر چیز بنتی تھی اور ہم محو حیرت ان صنعتی بستیوں کو دیکھتے دریاؤں پہاڑیوں اور سبزہ زاروں کی اس سرزمین پر رواں دواں تھے دن ڈھلے سیول پہنچے وہاں کے تقریباً" سب سے بڑے امریکی ہوٹل حیات ایجنسی میں ہمارے قیام کا بندوبست تھا سفر کی تھکاوٹ اور اس ملک کی صنعتی ترقی کو دیکھ کر پیدا ہونے والی حیرانی نے نڈھال کر رکھا تھا۔

کمرہ وغیرہ کھونے کے لیے جب کمرہ کا رخ کیا تو کمرے کی نفاست اور کھڑکی سے باہر گردوپیش کے سبزہ اور سامنے اونچی پہاڑی پر نظر آنے والی دلکش مسجد کے میناروں کو دیکھ کر طبیعت شگفتہ ہو گئی وضو کر کے سب سے پہلے رب کی بارگاہ میں سجدہ نیاز پیش کیا اور پھر کھانا کھا کر لمبی تان سو گئے صبح سویرے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی کہ ہوٹل کا ایک بڑا کمرہ عارضی مسجد میں تبدیل کر دیا گیا تھا پھر ناشتہ کر کے جامع مسجد سیول کے لیے روانہ ہوئے شہر کی ایک اونچی پہاڑی پر بنائی گئی یہ عظیم الشان اور خوبصورت مسجد شہر بھر سے دکھائی دیتی ہے اس کے مینارے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں' جب ہمارے قافلے مسجد پہنچے تو کورین مسلمانوں کی ایک اچھی تعداد وہاں ہمارے استقبال کو موجود تھی مسجد دوسری منزل پر ہے نچلی منزل میں ایک بڑا ہال لائبریری' اسلامک سنٹر وضو گاہ اور طہارت خانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا مہمان خانہ بھی بنا ہوا ہے۔ بڑے ہال میں ایک مجلس مذاکرہ تھی' مسلم اقلیتی ممالک میں دینی تعلیم' مختلف حضرات نے یہاں اپنے اپنے

اور وزیر خارجہ سمیت دیگر حضرات نے بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا اور بعد میں اس بات کا بھی اظہار کیا کہ اسلام کے متعلق اگر کورین زبان میں کچھ کتابوں کا ترجمہ ہو سکے تو اس سے ہمیں اور دیگر لوگوں کو دین حنیف کے بارہ میں بہتر طور پر سوچنے اور سمجھنے کا موقع میسر آئے گا۔

اثناء گفتگو جب میں نے کوریا کی صنعتی اور اقتصادی ترقی میں اس کمال کا سبب پوچھا۔ تو مارشل لاء گورنمنٹ کے تحت وزارت عظمیٰ کے منصب پر سرفراز ہونے کے باوجود اقتصادیات کے اس نامور ماہر اور معمر استاد نے بڑی متانت سے جواب دیا "سیاسی استحکام" اور بدیشی زبانوں سے عدم عقیدت۔

جب میں نے مزید وضاحت چاہی کہ اب تو آپ کے اپنے ملک میں مارشل لاء ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ اسی وجہ سے ہم اس ٹارگٹ کو پورا کر سکے۔ جس کو ہم نے ۸۰ء کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ اور ساتھ ہی کہا مجھے یقین ہے کہ یہ کیفیت دیر تک باقی نہ رہے گی۔ اور جلد از جلد ہمارے ملک کو سیاسی استحکام نصیب ہو جائے گا۔ اور میں اپنے ملک کے تصور میں کھو گیا۔ جس میں ہر چیز موجود ہے اور اگر نہیں تو یہی "سیاسی استحکام" موجود نہیں اور گزشتہ تینتیس سالوں میں ہم اس بے یقینی کا شکار ہیں۔

دوسری بات کے متعلق انہوں نے کہا کہ' چونکہ اکثر ایشیائی ممالک بدیشیوں کے غلام رہے اس لیے انہوں نے ان کی زبان بھی متبرک سمجھ لی۔ جس کے نتیجہ میں ان کی سیکھنے کی عمر کا پیشتر حصہ اسی زبان کی تعلیم اور اس کے حصول میں گزر جاتا ہے۔ اور جب انہیں وہ زبان آجاتی ہے تو پھر سیکھنے کی عمر جا چکی ہوتی ہے' یا بالفاظ دیگر لوگوں نے زبان کی تعلیم کو علم سمجھ لیا ہے۔ جب کہ زبان حصول علم کا ذریعہ ہوتی ہے۔ نہ کہ مقصود بالذات۔

اس کے برعکس وہ ممالک جو علوم کو اپنی زبان میں پڑھتے ہیں وہ بچپنے ہی

سے علوم کو سیکھنے میں لگ جاتے ہیں۔ اور اگر انہیں ضرورت ہو تو وہ دوسری بھی کوئی زبان سیکھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کا مقصود زبان نہیں بلکہ علوم ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے دوسرے جتنی دیر انگریزی' فرانسیسی' جرمن یا کوئی اور زبان سیکھنے میں لگاتے ہیں اتنی دیر میں ٹیکنالوجی سائنس طبیعیات اور دیگر علوم فنون کو حاصل کر لیا جاتا ہے۔

انہوں نے کہا مثلاً ہم جاپان کے زیر اقتدار رہے ہیں۔ لیکن جاپان کی صنعتی ترقی میں عروج و کمال کے باوجود ہم نے جاپنی زبان اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس کے سیکھنے میں وقت ضائع کیا ہے۔ بلکہ ہم نے ساری سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہمارے بچے دھری مصیبت کا شکار نہیں ہوتے کہ پہلے جاپانی سیکھیں' پھر جاپانی زبان میں موجود علوم۔ بلکہ ہم شروع دن ہی سے' جس دن کہ ایک جاپانی بچہ علم سیکھنا شروع کرتا ہے۔ اسی دن ہم یعنی کورین بچہ بھی حصول علم و فنون میں لگ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم اگر جاپان سے آگے نہیں تو کسی بھی صورت پیچھے بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم نے مقابلہ میں بے شمار جاپانی مارکیٹوں میں اپنے لیے جگہ اور مقام پیدا کیا ہے۔

وزیراعظم کوریا' جب یہ بات کر رہے تھے تو میں ایک دفعہ پھر اپنے ملک میں انگریزوں کی معنوی اولاد کے بارہ میں سوچ بچار کر رہا تھا' جن کے نزدیک علم نام ہی انگریزی کا ہے۔ چاہے کسی دوسری بات کی اسے شدھ بدھ ہو یا نہ ہو اور اسی لیے میں نے اس بات کو ذرا طویل کر دیا ہے۔ تاکہ ہماری قوم بھی کسی اچھی بات کو اختیار کر کے اقوام عالم میں وہی مقام حاصل کر سکے جو دوسری یورپین اور بعض ایشیائی اقوام اس وقت حاصل کر چکی ہیں اور آخر میں میں نے وزیراعظم سے سوال کیا کہ کیا انہیں کوئی دوسری زبان بھی آتی ہے تو ان کا جواب مکمل نفی میں تھا' یہی حال کوریا کے کمانڈر انچیف اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور پریذیڈنٹ کا بھی تھا۔ کہ

کورین زبان کے علاوہ دنیا کی کوئی دوسری زبان وہ نہیں جانتے تھے۔ جب کہ کوریا کے امریکہ کے ساتھ انتہائی گہرے اور مضبوط روابط اور تعلقات ہیں۔

بہرحال کھانے کے بعد وزیراعظم نے اپنی تقریر میں جہاں مسلم وفود کو خوش آمدید کہا۔ وہاں کھل کر اس بات کا بھی اظہار کیا کہ وہ دن قریب ہے' جب کوریا کے زیادہ لوگ اسلام ایسے خوبصورت امن عالم کے خواہش مند لادینیت اور الحاد اور اشتراکیت کے دشمن دین کی آغوش عاطفت میں آ جائیں گے۔ ساتھ ہی انہوں نے حکومت کی طرف سے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ دنیا بھر سے اسلام کی تبلیغ کے لیے آنے والے مبلغین کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی اور انہیں بہتر سے بہتر مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

پندرہ ستمبر سوموار جنوبی کوریا کے سرحدی علاقے اور اس ٹرمینل کو دیکھنے کے لیے مخصوص تھا جو شمالی اور جنوبی کوریا کی جنگ کے دوران کھولا گیا تھا۔ دس بجے لوگ روانہ ہونے لگے لیکن میں نے وہاں جانے کی بجائے سیول میں گھومنے اور کورین معاشرت کا مطالعہ کرنے کو ترجیح دی۔

رابطہ عالم اسلامی کی ایشیائی شاخ کے سیکرٹری جنرل' اور اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق سربراہ جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب جو رابطہ کی نمائندگی کر رہے تھے نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا۔ چنانچہ ہم مقررہ پروگرام سے ہٹ کر سیول دیکھنے کے لیے چل نکلے۔

شمالی کوریا سے تعلقات کی بنا پر جنوبی کوریا سے ہمارے باقاعدہ سفارتی تعلقات تو نہیں ہیں البتہ تجارتی معاملات کی نگرانی کے لیے حال ہی میں وہاں قونصل جنرل کا تقرر کیا گیا ہے اور قونصل خانہ کے لیے عمارت بھی کرایہ پر لے لی گئی ہے۔ بشیر احمد بھٹی جو لاہور سے تعلق رکھتے بطور قونصل وہاں موجود ہیں اس دن کے لیے انہوں نے اپنی گاڑی بھیج دی اور ہم نے دوپہر کا کھانا اور نماز ظہر بھی

وہیں ادا کی۔ ظہر کی بعد سیول سٹی سینٹر کی طرف نکل گئے' میں حسب معمول شلوار قمیص اور سر پر جناح کیپ پہنے ہوئے تھا چنانچہ جب ہم ایک خریداری کے مرکز پہنچے تو ہمیں دیکھنے کے لیے لوگوں کے ٹھٹ لگ گئے کہ وہاں اس سے پیشتر شائد کسی پاکستانی کو انہوں نے پاکستانی لباس میں نہیں دیکھا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ کورین مسلم فیڈریشن کے اجتماعات کی تصویروں اور ٹیلیویژن رپورٹوں میں انہوں نے ہم کو دیکھا تھا اس لیے ہم جس دکان پر بھی گئے انہوں نے اسلام' پاکستان کا نام لیا گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ اسلام اور پاکستان کی نمائندگی کرنے کوریا میں آئے ہیں اور مجھے اسلام اور پاکستان کی یہ آمیزش کتنی ہی بھلی لگی۔ چیمہ صاحب مسکرا کر کہنے لگے تم تو اپنے لباس کی بنا پر چلتے پھرتے اسلام اور پاکستان کی تبلیغ و اشاعت کا اشتہار بن گئے ہو۔

ساتھ ہی ساتھ لوگ ٹوٹی پھوٹی اور ملی جلی انگریزی میں اسلام اور پاکستان کے بارہ میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے اور سیول کی مسجد کے متعلق اپنی باخبری اور کورین فیڈریشن کے متعلق اپنی آگہی کا ذکر کرتے۔ چونکہ کوریا میں تعلیم عام ہے شائد ۹۸ فی صد لوگ پڑھے لکھے ہیں اور ہر آدمی اخبار پڑھتا' ریڈیو سنتا اور ٹیلیویژن دیکھتا ہے اس لیے ملک میں ہونے والے تمام واقعات اور اجتماعات پر ان کی نظر رہتی ہے۔

سیول کے بازاروں میں گھومتے پھرتے ہمیں اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ مجموعی طور پر کوریا کے لوگ بہت دھیمے اور ٹھنڈے مزاج کے ہیں۔ گفتگو میں نہ کوئی تیزی ہے اور دکانداروں میں نہ روایتی چڑچڑاپن' ہنس مکھ' متواضع اور محنت کش' شائد یہی سبب ہے کہ اس وقت مشرق وسطی میں سب سے زیادہ مانگ کورین مزدوروں کی ہے' اس وقت سعودی عرب میں ان کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ اسی طرح خلیج کے دوسروں ممالک بھی ان کی طرف زیادہ ملتفت

ہیں۔ ہماری وہاں موجودگی میں ہی قطر کے وزیر محنت کورین مزدوروں کی ایک بڑی کھیپ اپنے ملک کے لیے لینے وہاں آئے ہوئے تھے۔ کویت اور لیبیا وغیرہ بھی اس قسم کے معاہدے کر چکے ہیں۔ بہرحال عصر تک ہم سیول کے بازاروں میں گھومتے گئے جن میں سے بیشتر بازار زیر زمین تھے۔ اس اثناء میں جب کہ ایک بڑے اسٹور سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اچانک زور زور سے خطرے کے سائرن بجنے لگے' آن واحد میں بازار خالی ہو گئے۔ گاڑیاں جہاں تھیں وہیں رک گئیں۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی اور لوگ چند لمحات میں زیر زمین پناہ گاہوں میں یا بڑی بڑی عمارتوں میں چلے گئے۔ ہم بھی حیران و ششدر ایک بڑے سٹور میں گھس گئے۔ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ جنگ کی کوئی خبر نہ افواہ نہ کوئی اور معاملہ یہ یکایک خطرہ کہاں سے آن ٹپکا۔ آدھ گھنٹہ بعد جب دوسرا سائرن بجا اور لوگ باہر نکلے تو اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ہم نے ڈرائیور سے پوچھا تو اس نے ہمیں اور حیرت زدہ کر دیا کہ خطرہ وغیرہ تو کچھ نہ تھا مگر شمالی کوریا سے تعلقات کی خرابی کی بنا پر اس طرح بچاؤ کی مشقیں برسہا برس سے جاری ہیں اور لوگ اسی طرح پوری پابندی سے ان پر عمل کرتے ہیں جس طرح عین جنگ کے ایام میں کیا جاتا ہے اور میں پھر اپنے ملک اور اس کو درپیش حالات و خطرات اور اس پر چھائی ہوئی گھٹاؤں میں بھٹکنے لگا کہ کہاں ہم جنہیں ان کے دین اور دین لانے والے نے ہر لمحہ چوکس رہنے کا حکم دیا اور کہاں ہماری بے حسی اور بے اعتنائی اور کہاں یہ اسلام سے ناآشنا اور بے خبر قوم اور دشمن اور اس کے مسلط کئے ہوئے خطرات سے نپٹنے کے لیے ہر دم تیار' ہر گھڑی ہوشیار قوم! نماز عصر ہم نے جامع مسجد سیول میں ادا کی۔ دیر تک وہاں بیٹھے کلام پاک کی تلاوت کرتے رہے آخری نماز مغرب ادا کر کے وہاں سے نکلے۔ راستہ میں امریکن قوم کے سپوتوں کی مستیوں اور خرمستیوں کے دل دوز اور جگر سوز اور شرمناک مناظر بھی دیکھنے میں آئے کہ امریکی فوجی اڈہ ہونے کی

بنا پر سیول کی معاشرت کس تباہی اور بربادی کا شکار ہوئی ہے کہ یہ بدبخت قوم جہاں بھی جاتی ہے وہاں اپنے اثرات بھی مرتب کئے بغیر نہیں رہتی چاہے وہ بنکاک ہو چاہے منیلا چاہے سیول۔ شاید ایسی ہی قوموں کے متعلق رب نے کہا تھا۔

اذا دخلوا قریہ افسدوھا و جعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ و کذالک یفعلون

جب وہ کسی بستی میں جاتے ہیں تو اسے فساد کا گہوارہ بنا دیتے ہیں اور اس کے معزز باسیوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور ان کی یہی روش چلی آ رہی ہے۔

حیات ہوٹل میں ہی آج کی شب وزیر ثقافت و اطلاعات کی طرف سے مسلم وفود کے اعزاز میں عشائیہ ترتیب دیا گیا تھا' اس عشائیہ میں شرکت کے بعد یہ احساس اور پختہ ہوا کہ رب کی کریمی اور رحیمی سے جو مذہب کی محبت اور تعلیمات دینی کا احترام پاکستانی قوم کے حصہ میں آیا ہے وہ کسی دوسرے کے حصہ میں کم ہی آیا ہو گا۔

اس رات مختلف وفود رخت سفر باندھنے لگے۔ میرا ارادہ بھی اسی رات کوچ کا تھا لیکن مجھے یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ صبح ۱۶ ستمبر کوریا کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے مختلف ملکوں کے جن افراد کی ملاقات ہے ان میں آپ کا نام بھی ہے۔

صبح دم نماز اور ناشتہ سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ کورین احباب آ گئے اور ان سے مختلف موضوعات خصوصاً" کوریا میں اسلام کے مستقبل اور اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت پر گفتگو ہوتی رہی۔ مقامی وقت کے مطابق تقریباً" دس بجے صبح پروٹوکول آفیسر ہوٹل کے لاؤنج میں پہنچ گئے اور ہمیں روانگی کے لیے کہا گیا۔ اس سے پیشتر ایک ایک شخص کی شناخت کی گئی اور مجھے حیرت ہوئی کہ نو کے نو افراد جو صدر کوریا سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے ان سب کی تصاویر وغیرہ ان کے پاس موجود تھیں جبکہ نہ مجھ سے اور نہ ہی کسی دوسرے نمائندہ وفد سے

باضابطہ فوٹو مانگی گئی تھی۔ اسی طرح کڑی جانچ پڑتال پر بھی بہت حیرت ہوئی جو کئی مرحلوں پر مشتمل تھی۔

ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے صدر کے ملاقاتی کمرہ میں پہنچے وہاں وزیر ثقافت و اطلاعات کے علاوہ کچھ دیگر جرنیل اور حکومتی افسران بھی موجود تھے۔ صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے جہاں دیگر بہت سے امور پر گفتگو کی وہاں اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان ہمارے ساتھ باقاعدہ سفارتی تعلقات استوار کرے کہ ہم مشترکہ دشمن کمیونزم سے برسرپیکار ہیں نیز روحانی اور اخلاقی اقدار پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ملک میں اسلامی نظریہ حیات کے مبلغین اور داعیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اور اسلام کی ترویج و اشاعت میں مدد دے رہے ہیں اور پاکستان کو ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہونے کے ناطے دوسروں کے مقابلے میں ہمارے ساتھ اپنے تعلقات کی استواری کو ترجیح دینا چاہیے۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ملاقات کا وقت ختم ہو گیا اور ہمیں وہاں سے سیدھا سیول بلدیہ کے دفتر لے جایا گیا وہاں سیول کے میئر اپنے رفقاء اور معززین کے ہمراہ وفد کے استقبال کے لیے موجود تھے وہیں پہ ہمیں سیول کی چابی اور اعزازی شہریت دی گئی۔ وہاں سے سب احباب اپنے اپنے پروگراموں پر چلے گئے۔ کچھ سیدھے ہوائی اڈہ چلے گئے۔ ہمارا سفر دوسرے دن تھا' دن بھر سیول میں گھومتے گئے۔ دوسرے دن صبح کورین ایئرلائن پر سوار ہو کر ٹوکیو کے لیے چل نکلے۔